قرآن اور ہدایت

آیت اللہ جوادآملی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرآن اور ہدایت

Acc No.......................Date..............
Section.......................Status..............
D.D. Class..
NAJAFI BOOK LIBRARY

تالیف

آیت اللہ جوادی آملی

NAJAFI BOOK LIBRARY
Shop No. 11
M.L. Heights
Soldier Bazar# 2
KARACHI
PH. 7211795

دانش گاہ علوم اسلامی
جی پی او بکس 10 چکوال

اے میرے بیٹے!

معرفت کی اس عظیم کتاب "قرآن" سے انس پیدا کرو خواہ اس کی تلاوت ہی کے ذریعے سے اور یوں "محبوب" کی جانب راستہ کھولو۔ یہ تصور نہ کرو کہ معرفت کے بغیر تلاوت کا کوئی فائدہ نہیں' یہ شیطانی وسوسہ ہے۔ یہ کتاب محبوب کی طرف سے تمہارے اور دیگر تمام افراد کے لیے تحفہ اور نامہ محبوب ہے اور محبوب کے خط کو ہر حالت میں پسند کیا جاتا ہے اگرچہ عاشق اور محبت کرنے والا اس کی باتوں کو نہ بھی جانتا ہو۔ شاید اس طرح محبوب کی محبت جو کمال مطلوب ہے' تمہارے دل میں پیدا ہو جائے اور وہ تمہارے ہاتھوں کو تھام لے۔ (امام خمینیؒ)

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	:	قرآن اور ہدایت
صاحب اثر	:	آیت اللہ جوادی آملی
ترتیب و تصحیح	:	اسد بخاری
اشاعت	:	16 فروری 2009ء یوم شہادت شہید عباس موسوی
تعداد	:	1000
ناشر	:	پیامِ نور پبلیکیشنز
قیمت	:	60 روپے
فون	:	0332-3329235

ہماری جدوجہد کا مقصد

امام حسینؑ نے فرمایا:

بارالہا! تو جانتا ہے کہ ہماری جدوجہد کا مقصد نہ تو حصول اقتدار کے سلسلے میں رسہ کشی ہے اور نہ ہی یہ مال دنیا میں اضافے کی خواہش کیلئے ہے بلکہ صرف اس لئے ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ:

☆ تیرے دین کی نشانیوں کو آشکار کر دیں۔

☆ تیرے شہروں میں اصلاح کریں۔

☆ تیرے مظلوم بندوں کو امان میسر ہو۔

☆ اور جو فرائض، قوانین اور احکام تو نے معین کیے ہیں ان پر عمل ہو۔

محمدؐ و آلِ محمدؑ کی الٰہی و سیاسی تعلیمات کے فروغ و احیاء کیلئے سرگرم عمل۔
اتحاد بین المسلمین و استحکام وطن کے لیے مصروف عمل

منتظرین امام زمانؑ

دانش گاہ علوم اسلامی

آپ اس کاروان میں شامل ہو سکتے ہیں، اپنی مفید آراء کے ذریعے سے آپ قارئین کے آراء نظریات ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔

0332-3329235

بہر حال اللہ انسانوں کو پاکیزہ اور صالح دیکھنا چاہتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس نے بندوں پر قرآن نازل فرمایا ہے اور اسے آسان بنادیا ہے چنانچہ ارشاد ہے ''ہم نے قرآن کو پند و نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنادیا ہے کیا کوئی نصیحت قبول کرنے والا ہے؟ ہاں صاف دل اور پاکیزہ انسانوں کے لئے قرآن آسان ہے لیکن اپنے مفاہیم و مطالب کے اعتبار سے سنگین اور گراں قدر ہے۔ امید ہے کہ مسلمان اور تمام انسان قرآن کریم سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے لئے بہترین دنیا اور بہترین آخرت فراہم کریں۔

عصر حاضر میں حوزہ علمیہ قم کی بنیادی علمی شخصیتوں میں حضرت آیت اللہ عبداللہ جوادی آملی کی ذات بڑی نمایاں حیثیت کی حامل ہے آپ اس عہد کے بے مثل حکیم و فلسفی، باکمال متکلم، بے بدیل عارف، عظیم مفسر و استاد قرآن اور مختلف حوزوی علوم میں ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ علی الاطلاق مجتہد بھی ہیں۔ اس وقت نہ صرف حوزہ علمیہ کے تشنگان علم کی کثیر تعداد آپ کے صہبائے فیض و معرفت سے سیراب ہوتی ہے بلکہ اسلامی جمہوریہ ایران کے ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر آپ کے ہفتہ وار دروس ایران اور ایران سے باہر کے بہت سے جایائے علم و عرفان کو فیضیاب کر رہے ہیں۔

موجودہ کتاب عرصہ سے جاری آپ کے درس قرآن کے ایک طویل سلسلے کے کچھ دروس ہیں۔ قرآن کی تلاوت و آداب کے موضوع پر دیے گئے یہ چند دروس افادیت کے پیش نظر مفید عام ہیں۔ امید ہے ناظرین اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے۔

خداوند عالم سے دعا ہے کہ وہ ہمیں قرآن سے تمسک کرنے اسے پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

دانش گاہ علوم اسلامی (چکوال)

تلاوت کی کیفیت

اور

اس کی ذمہ داریاں

تلاوت قرآن کے شرائط

قرآن کریم نے پیغمبر اکرم کا تعارف یوں کرایا ہے:۔

"یتلوا علیهم آیاته ویزکیهم و یعلمهم الکتاب والحکمة" (جمعه/۲)

"وہ ان لوگوں پر قرآنی آیتوں کی تلاوت فرماتے ہیں، ان کے نفسوں کو پاکیزہ بناتے ہیں اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔"

یہ تین مرحلے (تلاوت، تزکیہ اور تعلیم) شان رسالت کا جزو ہیں اور فریضہ رسالت کی ادائیگی کے حکم سے پہلے یہ تینوں امر خود حضرتؑ کے سلسلہ میں بروئے عمل لائے گئے۔ ان پر قرآنی آیات کی تلاوت کی گئی۔ خداوند عالم نے آپؐ کو کتاب وحکمت کا عالم بنایا اور آپ کو مطہر و تزکیہ شدہ قرار دیا۔ اس کے بعد قرآن نے فرمایا، یہی امور جو خداوند عالم نے آپ پر جاری فرمائے ہیں، اب آپ لوگوں سے متعلق عمل میں لائیں۔ فرق یہ ہے کہ عوام نہ آپ کی مانند فیضیابی کی قدرت و طاقت رکھتے ہیں اور نہ براہ راست فرشتوں یا ان سے بالاتر سے رابطہ پیدا کر سکتے ہیں۔

بنابرایں خداوند عالم نے پیغمبر اکرم سے متعلق تلاوت قرآن، تزکیہ اور تعلیم کو اپنے ذمہ لیا اس کے بعد ان کا ان صفات کے ساتھ ایک تعارف کرایا اور انھیں حکم دیا گیا کہ لوگوں کے لئے آیات الٰہی

تلاوت کرو جیسے میں نے تم پر آیات کی تلاوت کی ہے۔ لوگوں کو یوں ہی علم وحکمت کی تعلیم دو، جیسے میں نے تم کو تعلیم دی ہے۔ لوگوں کو اسی طرح پاکیزہ بناؤ اور انکے نفوس کو پاک کرو جیسے میں نے تمہیں مطہر اور تزکیہ شدہ بنایا ہے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ رسول خداؐ ان تینوں امور و مراحل میں ان مقامات پر فائز تھے جو صرف آنحضرتؐ سے مخصوص تھے اور دوسرے نہ ان درجات تک پہنچے ہیں نہ پہنچیں گے۔

تلاوتِ قرآن

تلاوت کے سلسلہ میں قرآن نے انسانوں کو حکم دیا کہ جہاں تک تم سے ممکن اور تمہیں میسر ہو قرآن کی تلاوت کرو:۔

فاقرو اماتیسر من القرآن (مزمل/۲۰)

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: ہم نے برحق تم پر قرآن کی تلاوت کی: "**تلک آیات اللّٰہ نتلوھا علیک بالحق**" (آل عمران/آیت ۱۰۸) کہ یہاں تلاوت حق کے ہمراہ ہے یعنی صرف حق وحقیقت ہی ہے اور کوئی باطل اس کے حریم میں راہ نہیں پاسکتا۔

تلاوت کس طرح حق ہوتی ہے؟

تلاوت اس صورت میں حق ہے:۔

۱۔ تلاوت شدہ امر حق ہو۔

۲۔ تلاوت کرنے والا صحیح تلاوت کرے۔

۳۔ تلاوت سننے والا درست سمجھے اور درست قرار دے۔

اگر ان تینوں ارکان میں سے کوئی ایک برحق نہ ہو تو یہ تلاوت حق نہیں ہے۔ یعنی اگر مطلب حق نہ ہو یا کہنے والا پڑھنے والا حق نہ کہے یا سننے والا اس حق کے سننے میں غلطی کرے تو تلاوت حق نہ ہوگی۔

خداوند عالم کی تلاوت کے سلسلہ میں تو ظاہر ہے کہ حق کے سوا کسی اور شئے کا وجود ہی نہیں ہے:

واللہ یقول الحق و ھو یھدی السبیل (احزاب/۴)

(اللہ حق کہتا ہے اور وہی ہے جو راہ کی ہدایت و راہنمائی کرتا ہے)

اس کا دوسرا رکن بھی حق ہے کیونکہ جو اسے لے کر آتا ہے، امین ہے اور اس کی امانت میں کبھی خیانت کی رسائی نہیں ہو سکتی: "مطاع ثم امین" (تکویر/۲۱) ملائکہ کا سردار اور فرمانروا (جبرئیل) امین وحی ہے۔ اور بارگاہ خداوندی کے تمام مقرب فرشتے بہترین اور باعظمت سفیر ہیں۔۔۔۔۔۔ سفرۃ کرام بررہ" (عبس/۱۵) یہ سفراء اور آیات کے پہنچانے والے امین اور صالح و نیکوکار ہیں۔ حق سنتے ہیں اور حق لے کر آتے ہیں۔

تیسرا رکن بھی یہ ہے کہ پیغمبر اکرم معصوم اور مطہر ہیں کہ حق کے سوا اور کچھ نہیں سنتے اور یہ عظیم پیغمبر تم لوگوں پر ایسی کتاب کی تلاوت کرتا ہے کہ جس میں کبھی کسی غلطی، اشتباہ یا تناقض اور ٹکراؤ کی گنجائش نہیں ہے بلکہ یہ کتاب مطہر ہے۔ سورہ مبارکہ بینہ میں ارشاد ہوا ہے: لم یکن الذین کفرو امن اھل لکتاب و المشر کین منفکین حتی تاتیھم البینۃ (بینہ/۱) کافرین اہل کتاب اور مشرکین دست بردار نہیں تھے یہاں تک کہ انکی طرف بینہ اور روشن دلیل آئی۔

بینہ کون ہے؟

بینہ وہی پیغمبرؐ ہے جو خداوند عالم کی جانب سے معبوث ہوا ہے کہ لوگوں پر پاک اور مطہر آیات کی تلاوت کرے۔ سورہ بینہ کی دوسری آیت میں ارشاد ہے: "رسول من اللہ یتلو اصحفا مطھرۃ" (بینہ/۲) خدا کی جانب سے ایک پیغمبر ہے جو لوگوں پر آسمانی کتاب (قرآن) سے مطہر و پاکیزہ صحیفوں کی تلاوت کرتا ہے"۔ یہ مطہر و پاکیزہ کتاب ہے، کیونکہ اس میں جھوٹ، تضاد، بے دلیل اور بیہودہ باتیں نہیں پائی جاتیں۔ یہ ساری باتیں رجس و کثافت اور شرک و وسواس ہے

جو حریم قرآن سے دور ہیں۔

لہذا قرآن مطہر و پاکیزہ ہے۔ اور ان پاکیزہ صحیفوں میں مطالب و احکام بیان کیے گئے ہیں۔ جو لوگوں کے لیے "قیم" اور ان پر حاکم ہیں: فیہا کتب قیمۃ (بینہ ۲/) (اس میں سیدھی راہ کی ہدایت کرنے والی بالادست کتابیں ہیں)

لوگوں کو حکم الٰہی کی سرپرستی میں رہنا چاہیے۔ پس یہ صحیفے، سورے اور آیتیں لوگوں کی قیم و سرپرست ہیں اور رسول خدا لوگوں کو ان تک پہنچا رہے ہیں۔ یہ کتب قیمہ نہ صرف پیغمبر اکرم کی مطہر و پاکیزہ زبان سے لوگوں کے کانوں میں پہنچنے تک مطہر ہیں بلکہ غیب سے پیغمبر اکرمؐ کے گوش گزار ہونے کی منزل میں بھی مطہر و مکرم ہیں سورہ "عبس" میں ارشاد ہوتا ہے: فی صحف مکرمۃ مرفوعۃ مطہرۃ (عبس ۱۳/) یہ آیتیں اس قدر بلند ہیں کہ کسی کے ہاتھ ان تک نہیں پہنچتے نہ انھیں کما حقہ، سمجھا جا سکتا ہے اور نہ ان کے جیسی آیتیں بنانا ممکن ہے۔ یہ کتاب مرفوع ہے یعنی بلند ہے اور کسی دسترس میں نہیں ہے کہ انسان اس کا مثل و مانند لا سکے اور اس میں تحریف کرے، ساتھ ہی یہ تمام آلودگیوں سے بھی پاک و منزہ اور مطہر ہے نیز اس وحی کے لانے والے بھی امین، کریم اور صالح ہیں۔ بایدی سفرۃ کرام بررۃ (سورہ عبس، آیت ۱۵) کریم و صالح سفیروں یعنی ملائکہ کے ہاتھوں"

برحق تلاوت

بنابرایں ہم سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ قرآن کی "بالحق" تلاوت کریں۔ قرآن میں جب گزشتہ ادیان کے مومنین کی مدح و ستائش کی جاتی ہے تو ارشاد ہوتا ہے۔: الذین آتینا ھم الکتاب یتلونہ حق تلاوتہ" (بقرہ/۱۲۱) جن کو ہم نے کتاب عطا کی تو وہ اس کے حق کے ساتھ اس کی تلاوت کرتے ہیں"

تلاوت کا حق کیا ہے؟

تلاوت کا حق سورہ انفال میں بیان کیا گیا ہے، جہاں مسلمانوں کے بارہ میں ارشاد ہوتا ہے: اذا تلیت علیهم آیاته زادتهم ایمانا (انفال/۲)

یعنی جب ان پر خدا کی آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ان کے ایمان میں اضافہ کر دیتی ہیں۔

یہ تلاوت برحق ہے، جو مومنین کے ایمان میں اضافہ کرتی ہے۔ ایسی تلاوت نہیں جو باحق ہی نہ ہو کہ روایت میں ہے: "رب تال للقرآن و القرآن یلعنه" ایسے بھی ہیں جو قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔" بنابرایں اگر خداوند عالم نے پیغمبر اکرمؐ کے لئے یہ تین صفات اور تین عہدے بیان فرمائے ہیں تو خود اس نے آنحضرتؐ کے لئے بھی تین مرحلے رکھے ہیں۔ سب سے پہلے ان پر برحق تلاوت فرمائی۔ اس کے بعد انھیں اس پر مامور کیا کہ آپ بھی لوگوں کے لئے ان مطہر و پاکیزہ صحیفوں کی تلاوت فرمائیں۔ حضرت کو علم وحکمت عطا فرمائی۔ وعلمک مالم تکن تعلم (نساء/۱۱۳) "اور آپ کو وہ علم عطا کیا جو آپ نہیں جانتے تھے" اس کے بعد ان سے مطالبہ کیا کہ آپ لوگوں کو بھی علم وحکمت سے آشنا بنائیں۔" و یعلمهم الکتاب والحکمة (جمعه/۲) خداوند عالم نے آنحضرت کو آیہ تطہیر کی بنیاد پر طاہر و مطہر بنایا اس کے بعد فرمایا کہ تم بھی لوگوں کا تزکیہ کرو اور انھیں پاکیزہ بناؤ۔ سورہ نور میں پروردگار عالم کا ارشاد گرامی کہ اگر فضل خدا نہ ہوتا تو کوئی شخص زکی و پاکیزہ نہ ہوتا، اسی نکتہ کی طرف اشارہ ہے۔

" لولا فضل الله علیکم و رحمة مازکی منکم من احد ابد (نور/۲۱)

یعنی اگر خدا کا فضل اور اس کی رحمت شامل نہ ہوتی تو کوئی بھی روحی بالیدگی اور تزکیہ نفس کے مرحلہ تک نہ پہنچ پاتا۔

صرف تزکیہ نفس ہی خداوند عالم کی جانب سے نہیں ہے بلکہ کمالات اس کی جانب سے ہیں اور کوئی

انسان یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ یہ کمال خود اس نے حاصل کیا ہے، بلکہ جو کچھ ہے اس کے فضل اور اس کی عنایت سے ہے۔ فرق یہ ہے کہ بعض افراد رفتہ رفتہ اس فیضان الٰہی سے بہرہ ور ہوتے ہیں اور بعض ایک مرتبہ میں۔ بعض اس لطف الٰہی سے کم فیضاب ہوتے ہیں اور بعض زیادہ۔

سننے والے کی طہارت

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ سفراء الٰہی اور خدا کے برگزیدہ فرشتے ان مطہر و پاکیزہ صحیفوں کو پیغمبر مطہرؐ پر تلاوت کرتے ہیں۔ لہذا تلاوت کی منزل میں بھی اسی انسان کو صحیح تلاوت کی توفیق حاصل ہوتی ہے جو طاہر و پاکیزہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ: "طہروا افواھکم فانھا طرق القرآن اپنے دہنوں کو پاک رکھو کیونکہ یہ قرآن کی راہیں ہیں، یعنی ایسا نہیں کہ انسان دن میں جو کچھ اس کے منہ میں آئے کہدے اور رات میں حق تلاوت کے ساتھ قرآن پڑھنے کی توفیق بھی پیدا کرلے۔ قرآن ایک مطہر و پاکیزہ صحیفہ ہے، اسے پاکیزہ راہ سے گزرنا چاہیے۔ پس انسان کا دہن اسی وقت قرآن کی گزرگاہ بن سکتا ہے جب پاک ہو۔

دہن کیونکر پاک ہو؟

ا۔ بری اور بیہودہ باتیں دہن سے باہر نہ آئیں۔

۲۔ حرام غذا منھ میں داخل نہ ہو

جی ہاں! تلاوت قرآن کا گزر پاک دہن سے ہونا چاہیے ورنہ گندے نالے میں بہنے والے صاف وشفاف پانی آخر کار گندا ہو جائے گا۔ اگر قرآن ناپاک دہن سے جاری ہو تو " ویل للمصلین" (ماعون/۴) وائے ہو ان نمازیوں کے لئے" کا مصداق اس پر صادق آئے گا۔

یہ جو قرآن میں ارشاد ہے: لا تقربو الصلواۃ وانتم سکاری "مستی کی حالت میں نماز کے قریب مت ہو، یا نماز نہ پڑھو" اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ کہہ رہے ہو اسے سمجھو۔ البتہ اگر

انسان نہ سمجھے کہ کیا کہہ رہا ہے، اس کی نماز صحیح تو ہے لیکن یا سرے سے مقبول نہیں ہے یا پوری طرح قبول نہیں ہے۔ کیونکہ ہم سے صرف تلاوت یا صرف قرائت کا مطالبہ نہیں کیا گیا ہے: "حتی تعلموا ما تقولون" (نساء/۴۳) بلکہ یہ بھی چاہا گیا ہے کہ تم سمجھو بھی کہ کیا کہہ رہے ہو۔ پس اگر انسان یہ نہ جانے کہ کیا کہہ رہا ہے، وہ صرف نیت کر کے اور تکبیرۃ الاحرام کہہ کر نماز شروع کرتا ہے اور سلام پر نماز تمام کرتا ہے۔ یہ نماز فریضہ کو تو ادا کر دیتی ہے لیکن اہل تقویٰ کا قرب اسے حاصل نہیں ہوتا۔

کیونکہ وہ جوانی کی مستی، جاہ ومنصب کا نشہ یا دنیا کا غرور رکھتا ہے۔ اور یہ کوئی ہنر نہیں ہے کہ انسان کی زیادہ سے زیادہ کوشش یہ رہے کہ اپنے آپ کو عذاب سے نجات دلا سکے۔

اس لئے کہ خداوند عالم بہت سے لوگوں کو مثلا بچوں، دیوانوں اور مجنونوں اور فکری اعتبار سے بودے افراد کو جو مسائل سمجھنے کے قابل نہیں ہیں قیامت کے دن عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا اور دوزخ میں نہیں ڈالے گا۔

اس طرح یہ بات ظاہر ہے کہ اس شخص کو جو یہ نہیں جانتا کہ کیا کہہ رہا ہے اور کس سے ہم کلام ہے اہل تقویٰ والی تقرب کی منزل نصیب نہیں ہے۔

اپنی تطہیر اور تزکیہ کی راہ میں سب سے پہلا قدم یہ ہے کہ انسان اپنا غرور اور اپنی انانیت چکنا چور کر دے۔ یہ اقدام طہارت نفس کے لئے زمین ہموار کرتا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں بھی ارشاد ہوتا ہے: ہم نے بارش کے پانی کو اس لئے نازل کیا کہ وہ پاک کرے اور کبھی ارشاد ہوتا ہے: نماز کے وقت اگر پانی تمھیں میسر نہ ہو تو خاک پر تیمم کرو۔ خدا تمھیں پاک کرنا چاہتا ہے۔ یہ انسان جس نے اپنے چہرہ پر خاک ملی ہے اور اپنے غرور کو توڑ ڈالا ہے، خدا اسے پاک کرنا چاہتا ہے۔ اب یہ ظاہری تطہیر نہیں ہے۔

تلاوت کی راہیں

وہ روایت جس میں ارشاد ہوا ہے کہ "اپنے داہنوں کو پاک رکھو کہ یہ قرآن کی راہیں ہیں"۔ البتہ کان، آنکھیں، ہاتھ اور دیگر اعضا بھی قرآن کی راہیں ہیں۔ وہ کان جنھوں نے غیبت سنی ہے اور اس کی مخالفت نہیں کی ہے، وہ کان جنھوں نے اجنبی عورتوں کی آوازوں میں شہوت انگیز نغمے سنے ہیں۔ اور وہ کان جنھوں نے دوسروں کی ہزاروں ناروا تہمتیں اور جھوٹے الزامات سنے ہیں اور ان کی کوئی مخالفت نہیں کی ہے، آیات الٰہی کو بھلا کیوں سن سکتے ہیں؟

رسول اکرمؐ سے ایک روایت نقل ہے۔ حضرتؐ فرماتے ہیں اعطو العین حقھا آنکھوں کو اس کا حق ادا کرو لوگوں نے دریافت کیا، آنکھوں کا حق کیا ہے؟

فرمایا: النظر الی المصحف" قرآن کو دیکھنا کیونکہ قرآن کو دیکھ کر اس کی تلاوت کرنا حدیث کے مطابق عبادت ہے۔ اگر نگاہیں پاک نہ ہوں تو انسان قرآن پر نگاہ کرنے کی توفیق پیدا نہیں کر سکتا۔ وہ خیانت کار آنکھیں جنھوں نے ایک عمر شیطان کی ولایت و سرپرستی میں بسر کی ہے کلام پرودگار کو دیکھنے کی توفیق سے محروم رہتی ہیں۔ جو ہاتھ ناپاک ہے اسے قرآن کی طرف نہیں بڑھنا چاہیے۔ لا یمسہ الا المطھرون (واقع ۷۹) قرآن کو صرف طاہر و پاکیزہ افراد ہی مس کرتے ہیں۔"

مذکورہ بالا باتوں سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ تلاوت قرآن مجید کے لئے طہارت حتی سننے کی منزل میں بھی شرط ہے یعنی اگر کسی کان نے باطل باتیں سنی ہوں اور اس کی تطہیر نہ ہوئی ہو۔ اسی صورت میں اگر آیات الٰہی کی تلاوت بھی اس کے سامنے کی جائیگی تب بھی وہ انھیں نہیں سن سکتا:" وفی آذانھم وقرا" (انعام ۲۵) اور ہم نے ان کے کانوں میں بہرا پن کر دیا ہے کہ قرآن کو سمجھ نہ سکیں۔

کون سے کان کلام الٰہی کو قبول کرتے ہیں؟

"وتعیھا اذن واعیة" (حاقه / ۱۲) اور اہل ہوش کے کان اس پند و نصیحت کو سنتے اور یاد کرتے ہیں۔ یعنی وہی کان انبیاء کرام کی نصیحتوں اور یاد دہانیوں کو سنتے اور آیات الٰہی کو قبول کرتے ہیں جو ''دعاۃ'' ہیں یعنی ان باتوں کو یاد رکھتے ہیں بعض کان معبر ہیں ہر طرح کی بات قبول کرتے ہیں یہ کان ''دعاۃ'' اور اذن داعیہ نہیں ہیں۔ اگر کان کو ایک غیر محسوس حجاب یا پردہ نہ چھپائے اور وہ داعیہ ہو تو آیات الٰہی کو درک کر سکتا ہے۔

بعض پردے اور حجاب قابل محسوس نہیں ہیں بلکہ خود ہی پوشیدہ ہیں۔ واذا قرات القرآن جعلنا بینک وبین الذین لا یومنون بالاخرة حجاباً مستوراً (اسراء یا بنی اسرائیل / ۴۵) اور جب تم نے قرآن کی تلاوت کی تو ہم نے تمہارے اور ان کے درمیان جو خدا و آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک پوشیدہ حجاب ڈال دیا۔ یہاں مستور، ساتر کے معنی میں نہیں ہے جیسا کہ ادبیات جاہلی کے پیرو بعض اہل ادب کہتے ہیں، بلکہ یہ خود ایک پوشیدہ اور غیر محسوس حجاب ہے۔

جب حضرت علیؑ یا آٹھویں امام سے (کیونکہ یہ روایت دونوں حضرات سے نقل ہوئی ہے) پوچھا گیا کہ ہم شب بیداری کی توفیق سے کیوں محروم ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: دن کے گناہ اس کی اجازت نہیں دیتے کہ رات کو اٹھ کر عبادت کرو۔ یہاں خود گناہ حجاب ہے لیکن یہ حجاب دیوار وغیرہ کی طرح دکھائی نہیں دیتا۔ چنانچہ اگر ایسا ہی حجاب کان میں بھی موجود ہو تو قرآن اس سے عبور نہیں کر سکتا اور وہ کان ''داعیہ'' یعنی سن کر محفوظ رکھنے والا نہیں ہے۔ پس ہمیں اپنے کان، آنکھوں اور ذہن سے ان حجابوں کو دور کرنے کی کوشش کرنا چاہیے تاکہ قرآن کی راہیں پاک ہوں اور الٰہی آیات ہمارے اندر اثر کر سکیں۔

نتیجہ

اس بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ رسولؐ خدا کے لئے تین امر بطور احسن اور بدرجہ اتم انجام پائے اور تین منصب انھیں عطا ہوئے۔ ان پر برحق الٰہی آیات کی تلاوت کی گئی۔ خداوند عالم نے انھیں علم عطا فرمایا اور پاکیزہ و مطہر قرار دیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ تم بھی یوں ہی لوگوں پر الٰہی آیات کی تلاوت کرو، انھیں علم و حکمت کی تعلیم دو اور ان کے قلوب کو پاکیزہ بناؤ اور ناپاکی سے محفوظ رکھو تا کہ ہر شخص اپنے اپنے اعتبار سے چاہے مقام تلاوت میں یا تعلیم اور تزکیہ نفس کی منزل میں۔ کہ یہ تینوں مراتب باہم مربوط ہیں۔ الٰہی فیض حاصل کر سکے۔

تلاوت کی کیفیت:

آداب تلاوت سے متعلق ہمیں ملنے والے دستوارت واحکام کا ایک سلسلہ اس کی لفظی کیفیت سے متعلق ہے یعنی انسان سے جہاں تک ہوسکے اچھی قرائت کرے اور "ترتیل" کے عنوان سے قرائت کرے اور احادیث کا ایک سلسلہ یہ بتاتا ہے کہ علم و تدبر اور غور و فکر کے ساتھ قرائت کرے۔ ترتیل کے سلسلہ میں قرآن، سورہ مزمل میں ارشاد فرماتا ہے: ورتل القرآن ترتیلا . انا سنلقی علیک قولا ثقیلاً یعنی قرآن کے حروف کو مخارج کے ساتھ ادا کرتے ہوئے ٹھہر ٹھہر کر اس کی تلاوت کرو، ہم تم پر سنگین کلام نازل کریں گے۔ قرآن اس نقطہ نگاہ سے سنگین اور وزنی ہے کہ اس کے معارف و حقائق کا سمجھنا بھی دشوار ہے اور احکام پر عمل بھی مشکل ہے، ساتھ ہی قیامت کے دن یہ قول میزان کے پلڑے میں بھی وزنی و سنگین ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: "فاما من ثقلت موازینہ فھو فی عیشۃ راضیۃ" (قارعہ/۵-۶)

قیامت کے روز جس کا عمل حق کی میزان میں وزنی ہوگا وہ جنت میں عیش و آرام کی زندگی بسر کرے گا۔

قرآن کریم اس جہت سے نفس کے لئے بھاری ہے کہ اس کے احکام نفسانی خواہشات کے برخلاف اوراس سے سازگار نہیں ہیں لہذا نفس پر بہت سنگین ودشوار ہیں اوراس کی وجہ یہ ہے کہ نفس خواہشات کی طرف جھکاؤ رکھتا ہے۔

نہج البلاغہ میں پیغمبر اکرمؐ کا ایک قول نقل ہے، حضرتؐ فرماتے ہیں:" حفت النار بالشھوات وحفت الجنة بالمکارہ" دوزخ خواہشات اور شہوات سے گھری ہوئی اور جنت دشواریوں سے گھری ہے۔ یعنی انسان جس طرف اور جس رخ سے لذت کی طرف کھینچا جائے اس کی انتہا آتش وجہنم ہے۔ اور جس راہ سے بھی جنت تک پہنچنا چاہے دشواریوں، مشکلوں اور مصیبتوں سے دوچار ہوتا ہے۔

قرآن اس نظر سے قول ثقیل اور وزنی ہے کہ قیامت کے دن اعمال کی الٰہی میزان میں تولا جائے گا، کیونکہ اس روز اس کی حقیقت ظاہر ہوگی۔ اس روز اس کے اسرار کھلیں گے اور لوگوں کی سمجھ میں آئے گا کہ قرآن احکام ودستورات کے اعتبار سے، بہت وزنی تھا۔

لیکن یہی قرآن جو نفس امارہ اور قوت شہوت وغضب کے لئے بہت دشوار اور سنگین ہے کوری اور اچھوتی فطرت کے لئے آسان ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر (قمر/۲۲)

یہ آیت جو سورہ قمر میں چار مرتبہ نازل ہوئی ہے اس میں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے قرآن کو پند ونصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنایا ہے، کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟ جب کہ سورہ مزمل اسی قرآن کو قول ثقیل قرار دیتا ہے۔ اور یہاں فرماتا ہے کہ قرآن آسان ہے اور ہم نے اسے آسان قرار دیا ہے۔ وہ سنگینی اور ثقالت اس اعتبار سے تھی کہ اس کا مفہوم ومطلب سنگین وگراں قدر ہے۔ ہلکا پھلکا نہیں ہے۔ اور یہ آسان سنگین کے مقابل میں نہیں ہے کہ بعض لوگ یہ سوچنے لگیں کہ ان دو آیتوں میں تناقض اور ٹکراؤ پایا جاتا ہے، کیونکہ ثقیل، خفیف کا مقابل ہے اور یسیر (آسان)

عسیر (مشکل) کے مقابلہ میں ہے۔ لہذا یہ قرآن ہلکا اور سبک نہیں ہے اس لئے کہ اس کے معانی ومفاہیم سنگین ووزنی ہیں اور دوسری طرف مشکل ودشوار بھی نہیں ہے کیونکہ فطری ضروریات کے عین مطابق ہے۔

سورہ مزمل کی آخری آیت میں ارشاد ہوتا: **فاقروا ماتیسر من القرآن علم ان یکون منکم مرضی وآخرون یضربون فی الارض......** خدا جانتا ہے کہ تم ہمیشہ صحیح وسالم اور حالت حضر میں نہیں ہو بلکہ کبھی سفر میں ہو اور کبھی مشکلات دشواریوں اور امراض کا شکار، بہر حال قرآن پڑھنے کے مناسب موقعوں کو ہاتھ سے جانے نہ دو اور غنیمت سمجھو۔ عام حالات میں قرآن پڑھو کیونکہ ہمیشہ قرآن پڑھنا تمھیں میسر نہ ہوگا۔

انسان جب قرآن کی تلاوت شروع کرتا ہے عبادت خدا میں مشغول ہوتا ہے اور چونکہ منزل عبادت میں قدم رکھتا ہے لہذا شیطان اس کے خلاف اپنے حملہ کا آغاز کرتا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: **فاذ قرات القرآن فاستعذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم**" جب قرآن پڑھنے کا قصد کرو تو شیطان کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے درگاہ الٰہی میں پناہ حاصل کرو" (النحل ۹۸)

بنا برایں جب قرائت وتلاوت غور وفکر اور تزکیہ نفس کے ساتھ ہو تو عبادت ہے اور جب عبادت ہے تو شیطان حملہ آور ہوتا ہے اور جب شیطان حملہ کرتا ہے تو اس سے محفوظ رہنے کے لئے استعاذہ ضروری ہے لہذا استعاذہ (**اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم**) آداب تلاوت میں سے ہے۔

تلاوت کی ذمہ داری

تلاوت کی ذمہ داری، تہذیب نفس اور قرآن کے بیان کردہ احکام کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھنا ہے ۔ یہ ذمہ داری سورہ بقرہ کی آیت ۴۵ میں بیان کی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے:

اتا مرون الناس بالبروتنسون انفسکم و انتم تتلون الکتاب افلا تعقلون "تم کس طرح لوگوں کو نیکوکاری کا حکم دیتے ہو اور خود کو بھول جاتے ہو جب کہ تم کتاب خدا (قرآن) کی تلاوت کرتے ہو۔ پھر اس میں غور و فکر سے کام کیوں نہیں لیتے؟

اس آیت کریمہ میں مذکور کتاب خدا، وحی آسمانی ہے چاہے وہ قرآن کی شکل میں ہو یا گذشتہ انبیاء کرامؑ پر نازل شدہ کتابوں کی شکل میں ہو کیونکہ قرآن نے گذشتہ انبیاء پر نازل شدہ کتابوں کی تصدیق کی ہے۔

اس آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تلاوت کا مقصد تہذیب نفس اور اس کے احکام کو پیش نظر رکھنا ہے ، ورنہ جو ذکر نفس کا تزکیہ نہ کرے اللہ کا ذکر ہی نہیں ہے۔ لہذا کتاب خدا کی تلاوت، تزکیہ نفس کے لئے ہے یعنی اگر کوئی اپنے نفس کا تزکیہ شروع نہ کرے اور کتاب خدا کی تلاوت میں مشغول ہو وہ اس آیت میں شامل مانا جائے گا جب کہ اپنے نفس کو بھول کر کی جانے والی تلاوت درست وسازگار نہیں ہے۔ اسی سلسلہ میں معصومینؑ کی روایتیں بھی ہم تک پہنچی ہیں جن میں سے بعض کو ہم یہاں نمونہ کے طور پر ذکر کرتے ہیں:۔

" امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اہل قرآن، انبیاء و مرسلین کے علاوہ انسانوں کے اعلیٰ ترین درجہ میں ہیں پس اہل قرآن کے حقوق کو کم شمار نہ کرو کیونکہ خدائے عزیز و جبار کی جانب سے انھیں بڑا اعالی اور بلند مقام حاصل ہے"

اور اگر مسئلہ " **واعتصمو بحبل اللہ.....** " کے تجزیہ سے یہ بات واضح ہو جائے کہ اس

''حبل'' الٰہی کا ایک سرا خدا سے متعلق ہے، اس کا درمیانی حصہ خدا کے نیکوکار سفیروں یعنی فرشتوں کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا اور آخری حصہ انسانوں کے ہاتھ میں ہے، اس کے بعد انسانوں سے کہا گیا ''واعتصمو بحبل اللّٰہ جمیعاً'' تو اس کا لازمہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے تلاوت کے تمام آداب کی رعایت کرتے ہوئے قرآن کی تلاوت کی، اسے سمجھا اور اس پر عمل کیا تو وہ اس حد تک بلندی وکمال حاصل کرتا ہے کہ ''سفرۃ کرام بررۃ'' خدا کے نیکوکار سفیروں یعنی فرشتوں کی صف میں شامل اور ان سے مربط ہو جائے، چنانچہ امام صادق سے نقل ایک دوسری حدیث میں یہی بات کہی گئی ہے:

قرآن کا وہ حافظ جو اس پر عمل بھی کرتا ہے، آخرت میں اللہ کے باعظمت ونیکوکار فرشتوں کے ہمراہ ہوگا۔ کیونکہ جبل اللہ ان کے ہاتھوں میں ہے۔ اگر انسان بھی اسی رسی کو تھام لے اور بلند مدراج طے کرتا جائے تو فرشتوں کی صف میں پہنچ جائے گا۔

قرآن پڑھنے والے

ایک روایت حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ہم تک پہنچی ہے جس میں حضرتؑ نے قرآن پڑھنے والے مختلف گروہوں کا ذکر فرمایا اور اس میں ہر گروہ کے قرآن پڑھنے کا مقصد بھی بیان کیا ہے۔

حضرت فرماتے:

قرآن پڑھنے والے تین طرح کے لوگ ہیں:

اوّل۔ وہ شخص جو قرآن پڑھتا ہے، اسے اپنے روزگار کا سرمایہ قرار دیتا ہے اسے سلاطین وحکام کے یہاں سے فائدہ اٹھانے کا ذریعہ بناتا ہے اور قرآن سمجھنے یا اسکی تلاوت کے ذریعہ خود کو لوگوں سے اونچا اور برتر سمجھتا ہے۔

دوم۔ وہ شخص ہے جو قرآن پڑھتا ہے اور اس کے حروف کو تو حفظ کرتا ہے لیکن اس کے حدود واحکام

کو ضائع کرتا ہے۔ یہ قرآن اس کے لئے ایک تیر کے مانند ہے جسے اس نے اپنے پیچھے لگا رکھا ہے۔ خداوند عالم قرآن پڑھنے والوں میں ایسے لوگوں کا اضافہ ہرگز نہ فرمائے۔

سوم۔ جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اسے اپنے دکھے ہوئے دل کی دوا سمجھتا ہے اور اسے پڑھنے تیز اس پر عمل کرنے کے لئے رات کو بیداری اور دن کو تشنہ لبیکے ساتھ گزارتا ہے۔ اور اپنی نماز میں اس کے ذریعہ قیام کرتا ہے۔ اور اسی کے ذریعہ فرش استراحت سے دور رہتا ہے۔ ایسے لوگ زمین کی برکتیں ہیں۔ خدائے عزیز و جبار اس ہی کے ذریعہ بلاؤں کو دور کرتا ہے، ان کی برکت سے دشمنوں کے شر کو دفع کرتا ہے اور آسمان سے (بندوں پر) باران رحمت، نازل کرتا ہے۔ خدا کی قسم یہ لوگ قرآن پڑھنے والوں میں کبریت احمر سے بھی کم یاب ہیں۔

شفاء و دوا۔ اس حدیث شریف میں قرآن دوائے قلب کے عنوان سے بیان ہوا ہے۔
لیکن خداوند عالم قرآن میں خود قرآن کو شفا کی صفت سے یاد کرتا ہے، ارشاد ہوتا ہے۔

و ننزل من القرآن ما هو شفاء و رحمة للمومنين" (اسراء/۸۲)

قلب اور نفس کی بیماریوں کے علاج کے نقطۂ نظر سے شفاء قرآن کریم کی سب سے زیادہ ظریف اور دقیق تعبیر ہے۔ کیونکہ ممکن ہے دوا اثر نہ کرے لیکن شفا چونکہ مداوا ہی مداوا ہے لہذا اس کا اثر نہ کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ دوا اور شفا کو چراغ اور نور سے تشبیہ دی جا سکتی ہے کیونکہ چراغ کو خاموش کیا جا سکتا ہے لیکن چونکہ نور کی روشنی اس کی ذاتی ہے لہذا اسے خاموش کیا جانا ممکن ہی نہیں ہے۔ روشن کی جانے والی چیزیں تو خاموش ہو سکتی ہیں لیکن نور ہمیشہ نور اور روشنی ہے۔

قلب کے امراض؟

قرآن، قلب کی بیماریوں کو گناہ سمجھتا ہے لہذا وہ ایسے شخص کو جو نامحرم کی آواز پر کان دھرتا ہے اور اسے اس میں جذبات پیدا ہوتے ہیں مریض جانتا ہے چنانچہ ازواج پیغمبر اکرمؐ سے خطاب کرتے ہوئے سورہ احزاب میں ارشاد فرماتا ہے:

فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبه مرض (آیت/۲۲) دیکھو ہرگز (نامحرم) سے نرم ولائم لہجہ میں گفتگو نہ کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ جس شخص کا قلب بیمار ہے، طمع اور لالچ میں مبتلا ہو جائے"

زمین کی برکتیں

بہر حال وہ پاک انسان جو قرآن کو اپنے دل کی دوا جانتے ہیں اور قرآن سے اس قدر انس رکھتے ہیں کہ اپنی راتیں اس کے ساتھ بسر کرتے ہیں اور اپنی نماز وعبادات میں اس کے ہمدم وہم آواز ہیں ایسے انسانوں کا گروہ زمین کی برکتوں میں سے ہے۔ خداوند عالم ان لوگوں کے زریعہ زمین سے بلاؤں کو دفع کرتا ہے۔

زکریا بن آدم، جو اپنے عہد کی عظیم علمی شخصیت اور حضرت امام رضاؑ کے شاگرد رشید ہیں (اور شیخان، قم میں دفن ہیں) حضرت کی خدمت میں پہنچے اور عرض کی: قم کے بزرگ اہل علم اور بوڑھے افراد وفات پا چکے اور اب جوان شہر میں رہ گئے ہیں ان کے ساتھ زندگی گزارنا میرے لئے دشوار ہے۔ آپ اجازت دے دیں کہ قم سے باہر چلا جاؤں حضرت امام رضاؑ نے فرمایا: تم قم ہی میں رہو کیونکہ خداوند عالم نے تمہاری برکت سے قم سے بلا وعذاب دور کرتا ہے بالکل اسی طرح جیسے بدر بزرگوار حضرت موسیٰ بن جعفرؑ کی قبر کی برکت سے خدا اس علاقہ سے عذاب کو دور رکھتا ہے۔

یہ عالم باعمل کے وجود کی برکت ہے کہ حضرت فرماتے ہیں اے زکریا! قم میں رہو کیوں کہ تمہارا

وجود لوگوں سے عذاب وبلا کے دور ہونے کا باعث ہے۔ اسی باب میں شیخ کلینی امام سجادؑ سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ حضرتؑ نے فرمایا:۔

"لو مات من بين المشرق و المغرب لما استوحشت بعد ان يكون القرآن معي"

(یہ حدیث بہت ہی دلچسپ ہے اور اسے سب کو یاد رکھنا چاہیئے) یعنی اگر روئے زمین پر بسنے والے تمام انسان مر جائیں اور قرآن میرے ساتھ ہو تو مجھے وحشت کا احساس تک نہ ہوگا۔

یہ روایت مومنین کے لئے بہت حیات بخش ہے کہ اگر دنیا کے تمام انسان مر جائیں اور قرآن ان کے ساتھ رہے تو انھیں کسی طرح کا خوف وہراس نہ ہوگا۔ اب چاہیے یہ موت ظاہری ہو یا حقیقی یعنی کافر ہو جانا۔ پس اگر لوگ کافر ہو کر خدا سے برگشتہ ہو جائیں اور میں تنہا موجود مسلمان رہوں تو مجھے کسی سے خوف زدہ نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ انسان خدا سے کیا چاہتا ہے؟ ہمیشہ کی سعادت و خوش بختی! اور یہ ابدی سعادت قرآن کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ یہ قرآن ہے کہ جو انسان کو آخرت کی تمام فلاح وسعادت اور خوش بختی کی تمام راہیں بتاتا اور خداوند عالم کی عبادت کے تمام طریقے اس کو سکھاتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ: اگر دنیا تمہاری دشمن ہو جائے اور تمہارے پاس قرآن ہو تو کسی سے نہ ڈرو! ان کے مقابل میں ڈٹ جاؤ اور استقامت و پائداری اختیار کرو اور اس بات سے دل کو مطمئن رکھو کہ خدا تمھارے ساتھ ہے اور قرآن تمہارا مونس وہمدم ہے۔

و كان عليه السلام اذقرا ملک يوم الدين يكررها حتى كا د ان يموت.

اور روایت میں ہے حضرت امام زین العابدینؑ جب ملک یوم الدین فرماتے تھے تو اس کی اس قدر تکرار کرتے تھے کہ لگتا تھا حضرتؑ کے جسم سے روح پرواز کرنے والی ہے۔ یہ قرآن کی صحیح معرفت اور اس کی برحق تلاوت نیز اس کے معانی پر توجہ دینے کا اثر ہے جو حضرتؑ کو قیامت کی طرف اس قدر متوجہ کر رہا ہے کہ آپؑ جب بھی اس آیت تک پہنچتے ہیں اسے اس قدر دہراتے ہیں کہ گمان ہونے لگتا ہے کہ آپ اس دنیا ہی سے رخصت ہونے والے ہیں۔

(قِدح، یہاں تیر کے معنی ہیں معمولاً ایک جنگجو یا کوئی اور شخص جب تیر اپنے ہمراہ رکھتا ہے تو سفر کی دوران ترکش کو اپنے پیچھے گھوڑے کی پشت پر باندھتا ہے تاکہ ضرورت کے وقت ان تیروں سے کام لے۔ یہاں حضرتؑ نے ان افراد کو اچھی طرح سمجھنے اور ان کی معانی سے آگاہ ہیں لیکن اسے ضائع کرتے ہیں، ایسے شخص سے تشبیہ دی ہے جو تیر اپنے ہمراہ رکھتا ہے، تیر اندازی بھی خوب جانتا ہے لیکن جہاں اسے تیر استعمال نہ کرنا چاہیئے وہاں استعمال کرتا ہے، یا پھر صرف خودنمائی کے لئے وہ تیر کمان اپنے ہمراہ رکھے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ بھی ایسے ہی ہیں۔ عالم ہیں لیکن بے عمل کہ قرآن، اس کے معانی، اس کے کلمات اور آیات کا علم رکھنے کے باوجود اسے بروئے کار نہیں لاتے اور اس کے احکام کو ضائع کرتے ہیں۔)

تلاوت قرآن کے آداب

ہماری یہ گفتگو تلاوت قرآن کی کیفیت اور اس کی فضیلت کے بارے میں تھی ۔گزشتہ باب میں ہم نے چند روایتیں نقل کیں۔اب آگے ملاحظہ فرمائیں۔

کتاب اصول کافی اور علم حدیث کی بقیہ تین کتابوں میں چھٹے امام سے ایک روایت نقل ہے امام صادق نے فرمایا: قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ والہ حملة القرآن عرفاء اھل الجنة والمجتھدون قو آداھل الجنة والرسول سادة اھل الجنة"

میرے جد بزگوار حضرت رسول خداؐ نے فرمایا کہ حاملین قرآن (یعنی وہ لوگ جنہوں نے قرآن پڑھا سمجھا اور اس پر عمل کیا) اہل جنت کے عرفا ہیں۔مجتہدین (یعنی وہ لوگ جو اس کوشش میں رہتے ہیں کہ خود کو پالیں اور اللہ کے احکام پر عمل کریں) اہل جنت کے قائدو رہبر ہیں اور انبیاء و مرسلین اہل جنت کے سردار و آقا ہیں۔

سید کا لقب وہ روشن ترین اور بہترین لقب ہے کہ ہم اس لقب کے ذریعہ اہل بیتؑ کو خطاب کرتے ہیں مثلا سید الانبیاء سید الاولیا، سیدۃ نساء العالمین، سید الشہداوغیرہ۔

قرآن سیکھنا

اصول کافی میں قرآن کی تعلیم حاصل کرنے سے متعلق ایک مخصوص باب موجود ہے اس باب میں حضرت امام صادق سے ایک روایت نقل ہے۔آپؑ نے فرمایا:

تینبغی ان لا یموت حتیٰ یتعلم القرآن او ان یکون فی تعلمه

یہ سزاوار نہیں ہے کہ کوئی مومن مرجائے اور اس نے قرآن کی تعلیم حاصل نہ کی ہو یا اس کی تعلیم کی راہ میں گامزن نہ ہو ایک دوسری حدیث حفص بن غیاث امام موسیٰ کاظمؑ سے نقل کرتے ہیں امام نے فرمایا

"سمعت موسیٰ بن جعفر علیه السلام یقول لرجل: الحب البقا فی الدنیا؟ فقال نعم فقال ولم؟ قال: لقرائة قل هوا للّٰہ احد"

امام موسیٰ کاظمؑ نے ایک شخص سے دریافت کیا کہ کیا تم دنیا میں باقی رہنا چاہتے ہو؟ اس نے جواب دیا، ہاں حضرت نے پوچھا کیوں؟ عرض کیا قل ھواللہ احد پڑھنے کیلئے۔

(شیخ صدوق نے کتاب توحید میں نقل کیا ہے کہ امام زین العابدینؑ نے فرمایا چونکہ خداوند عالم جانتا تھا کہ آخری زمانہ میں قرآن پر گہری تحقیق کرنے والے گروہ پیدا ہوں گے لہذا اس نے سورہ توحید اور سورہ حدید کی ابتدا کی آیتوں کو واللہ علیم بذات الصدور تک نازل فرمایا۔

درحقیقت جو یہ کہتا ہے کہ میں سورہ قل ھواللہ احد کی تلاوت کرنے کے لئے زندہ رہنا چاہتا ہوں وہ عرفان وافکار کی بلند ترین چوٹی پر پہنچا ہوا ہے۔

اسی حدیث کو جاری رکھتے ہوئے حفص کہتے ہیں۔ امام ہفتم نے ایک لمحہ کے لئے خاموشی اختیار کی اس کے بعد فرمایا: "یا حفصر! من مات من اولیائنا و شیعتنا ولمیحن القرآن علم فی قبرہ لیرفع اللہ بہ من درجتہ فان درجات الجنة علی قدر (او عدد) آیات القرآن"

اے حفص! ہمارے چاہنے والوں اور شیعوں میں سے اگر کوئی مرجائے اور اس نے قرآن کی تعلیم حاصل نہ کی ہو تو (یہ شیعت وولایت اس کیلئے برکت بن جائے گی کہ) اسے قبر میں (عالم برزخ میں) قرآن کی تعلیم دی جائے گی تاکہ جنت میں اس کے درجات میں اضافہ کیا جائے کیونکہ جنت کے درجات قرآن کی آیتوں کے برابر ہیں (یعنی تقریبا ۶۲۰۰ سے زیادہ) ہیں

" یقال لہ قراو رقافیقرالمیر قی اس سے کہا جائے گا جس قدر قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھو اور ترقی وبلندی حاصل کرو۔ پس وہ پڑھے گا اور ترقی کریگا۔

گزشتہ قسطوں میں عرض کیا جاچکا ہے کہ بعض افراد صرف جنات تجری من تحتھا الانھار" کی قرات وتلاوت کرتے ہیں اور ان ہی جنتوں کو حاصل کرنے میں سرگرداں ہیں لیکن بعض ان

سے بھی بلند مرتبہ والے ہیں وہ یہ کہتے ہیں۔ ''ما عند اللہ خیر و ابقی'' جو کچھ خدا کے پاس ہے بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ اور بعض اولیاء خدا میں ایسے ہیں جو کہتے ہیں: واللہ خیر و ابقی (خود) خداوند عالم۔ بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ یہ وہ بلند بالا مقام ہے جسے بیان کرنے سے اصطلاحیں اور الفاظ قاصر ہیں۔

بہرحال اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے آئمہ معصومین کی نگاہ میں تلاوت دراصل وہی ہے جو ترقی و کمال کا پیش خیمہ ہو۔ یہ معمولی اور ظاہری طور پر کی جانے والی تلاوت تو حقیقت میں تلاوت نہیں ہے۔

کتاب ''توحید صدوق'' کے سب سے پہلے باب ''ثواب الموحدین'' میں حضرتؑ فرماتے ہیں ''قیامت میں خداوند عالم کی جانب سے ایک منادی غیب سے آواز دے گا جس شخص نے لا الہ اللہ کہا وہ جنت میں جائیگا۔ راوی نے حضرتؑ کی خدمت میں عرض کی۔ پھر ان لوگوں کو کیا جواب دیں گے جو لا الہ الا اللہ کہتے ہیں اور احکام پر عمل نہیں کرتے؟ ممکن ہے کہ ہر عادل و ظالم مومن و فاسق لا الہ الاّ اللہ کہہ دے۔ اس طرح تو کام بہت آسان ہے؟!

حضرتؑ نے فرمایا: اس روز مومن کے علاوہ کسی کو توحید یاد ہی نہیں رہے گی۔

جی ہاں یہ تمام اعمال اس لئے ہیں کہ مومن کے اندر ملکہ پیدا ہو جائے تا کہ وہ انھیں کبھی فراموش نہ کرے ورنہ انسان سے قبر میں اللہ پیغمبر اور کتاب وغیرہ کے بارے میں سوال کیوں کیا جاتا ہے؟ اگر یہ طے ہو کہ الفاظ ہی کے ذریعے جواب دیا جائے تو ہر شخص جانتا ہے کہ اس کا خدا، کتاب پیغمبر و قبلہ کیا ہے؟ لیکن جس مسلمان نے احکام پر عمل نہیں کیا قبر میں اسے کچھ یاد نہ آئیگا کیونکہ وہاں زبان انسان کے اختیار میں نہیں ہے عمل ظاہر ہوتا ہے اور جواب دیتا ہے۔

قیامت اور فراموشی

کیا فشار قبر اور موت کے جھٹکے انسان کو اس قابل رکھتے ہیں کہ اسے عالم برزخ میں یاد آئے کہ وہ کس دین کا پیرو ہے اور کس آئین پر عمل کرتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ حضرتؑ فرماتے ہیں: اس روز مومنین کے علاوہ دوسروں کو توحید یاد بھی نہ رہے گی۔

انسان جب اس دنیا میں بعض ظاہری بیماریوں میں مثلاً ٹائفائیڈ وغیرہ کے زیر اثر اپنی بعض علمی یاداشتیں کھو بیٹھتا ہے تو عالم برزخ میں بدرجہ اولیٰ آسان سے آسان مذہبی سوالات کے جواب دینے سے قاصر رہے گا۔ جبکہ وہاں کبھی مشکل اور دشوار احکام سے متعلق سوال نہیں کیا جاتا، بلکہ دین کی یہی بدیہی باتیں (جو سب پر ظاہر ہیں) پوچھی جاتی ہیں۔ ہاں شرط یہ ہے کہ انسان خود کو اس دنیا میں ایمان و عمل صالح سے آراستہ کرے تاکہ وہاں آسانی کے ساتھ سوالات کے جوابات دے سکے۔

ایک مرتبہ ہمارے استاد بزرگوار امام خمینی رضوان اللہ علیہ نے ایک درس کے آخر میں فرمایا تھا: ایک روایت ہے جس میں ارشاد ہوتا ہے کہ بعض افراد قیامت میں ایسے ہوں گے کہ عذاب کے ایک احقاب (اب یہ احقاب ستر سال کا یا اسی سال کا یا کچھ کم زیادہ ہوتا ہے ہم نہیں جانتے) کے گزر جانے کے بعد، جب ان سے پوچھا جائے گا کہ تمہارا پیغمبر کون ہے؟ تو جواب دیں گے کہ ہمارا پیغمبر وہ ہے جس پر قرآن نازل ہوا ہے! یعنی اس وقت تک ان لوگوں کو آنحضرتؐ کا نام بھی یاد نہ آئیگا۔

جی ہاں! ایسا نہیں ہے کہ موت کے بعد کے حالات قبل از موت جیسے ہوں۔ وہاں زبان اور اعضاء و جوارح انسان کے اختیار میں نہیں ہیں۔ یعنی وہ ظاہری اسباب و علل جو دنیا میں انسان کے اختیار میں تھے، وہاں سلب ہو جائیں گے "تقطعت بهم الاسباب" (سورہ بقرہ،

آیت ۱۶۶) البتہ یہ صورت حال عالم برزخ میں اس کی برزخ کی حد تک ظاہری ہوگی اور قیامت میں پورے طور سے نمایاں ہوگی۔

یہاں یہ یاددہانی ضروری ہے کہ وہی فشار عذاب جس میں انسان ایک مدت تک مبتلا رہتا ہے، اور رفتہ رفتہ گناہوں سے پاک ہوتا جاتا ہے اسے آہستہ آہستہ وہ سوال و جواب یاد آتے جاتے ہیں جیسا کہ مذکورہ بالا روایت میں نقل ہوا کہ ایک احقاب کے گزر جانے کے بعد انسان اس مرحلہ تک پہنچتا ہے کہ اسے صرف اتنا یاد آتا ہے کہ پیغمبر وہی جس پر قرآن نازل ہوا ہے۔

بہر حال یہ مسائل امت کے گنگاروں کے لئے ہیں، ورنہ خالص مومن جواب دینے میں ایک لحہ کی دیر بھی نہیں لگائے گا۔ اس پر کوئی فشار نہیں ہے، نہ موت کے وقت اور عالم برزخ میں بلکہ مومن کے لئے موت سے زیادہ خوش گوار اور کوئی لذت ہے ہی نہیں کیونکہ (اس کی حالت تو یہ ہوتی ہے گویا) ایک قیدی عالم جاویدائی کی طرف پرواز کرتا ہے اور مصائب و الام سے بھری ہوئی پُر آشوب دنیا سے آسائش ولذت سے سرشار دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔

حفص کہتے ہیں کہ میں نے کسی ایک شخص کو بھی موسیٰ بن جعفرؑ کے مانند اپنے نفس پر خوف زدہ اور ان سے زیادہ امیدوار نہیں دیکھا'' کیونکہ آپ جانتے تھے کہ آئندہ کیا ہوگا۔

یہاں یہ تلاوت کے آداب ظاہر ہو رہے ہیں: ''جب امامؑ قرآن کی تلاوت فرماتے تھے آپ کی آواز حزن واندہ میں ڈوبی ہوتی تھی اور یوں تلاوت فرماتے گویا کسی سے گفتگو فرما رہے ہیں۔

یہ جو روایت میں آیا ہے کہ جب بھی سنو کہ ''یا یھا الذین آمنو'' کی تلاوت کی جارہی ہے جواب میں لبیک کہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطاب اب بھی اپنی جگہ باقی ہے اور قرآن ہمیشہ انسان سے ہم کلام ہوتا ہے ورنہ ''لبیک'' کے کیا معنی ہیں؟ بنابرایں قرآن پڑھنے کا مطلب اللہ سے باتیں کرنا ہے لہذا ضروری ہے کہ جہاں بھی قرآن اہل ایمان سے خطاب کرتا ہے وہاں انسان ''لبیک'' کہے۔ البتہ صرف زبان سے نہیں بلکہ عمل کے ذریعہ بھی اللہ کے کلام پر لبیک کہے۔

حلول وارتحال

شیخ کلینیؒ نے کتاب کافی میں آداب تلاوت کے باب میں حضرت امام زین العابدینؑ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرتؑ سے دریافت کیا گیا! "ای الاعمال افضل"؟ کون سا عمل افضل وبہتر ہے؟ قال: الحال المرتحل یعنی کوئی شخص جب قرآن کی تلاوت شروع کرے تو ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ میں منتقل ہو یہاں تک کہ آخر قرآن تک پہنچ جائے راوی کہتا ہے، میں نے امامؑ سے پوچھا" وما لحال المرتحل حال مرتحل کیا ہے؟ قال فتح القرآن وختمہ فرمایا قرآن شروع کرنا اور اسے ختم کرنا۔ "کلما جاء باولہ ارتحل باخرہ" جب بھی وہ اس کے پہلے مرحلہ تک پہنچتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ اس سے انتقال اور رحلت کرے اور اسے طے کرتا ہو آخر تک پہنچ جائے۔

اس کے بعد امام سجادؑ نے حضرت رسول خداؐ سے ایک روایت نقل کرتے ہوئے فرمایا:

"من اعطاہ اللّٰہ القرآن فرای ان رجلا اعطای افضل مما اعطی فقد صغر عظیما وعظم صغیرا"

جسے خداوند عالم نے قرآن عطا کیا ہو (یعنی قرآن کا علم، اس کی معرفت، اور قرآن کو اس کی روزی قرار دیا ہو) اور اس کے بعد بھی وہ یہ سوچے کہ خداوند عالم نے دوسروں کو جو نعمت عطا کی ہے وہ مجھے عطا کردہ نعمت سے بالاتر ہے تو گویا اس شخص نے بڑے کو چھوٹا شمار کیا اور چھوٹے کو بڑا قرار دیا۔ اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علوم قرآن سے برتر وبالا، بافضیلت وگراں قدر کوئی بھی نعمت نہیں ہے اور اگر کوئی شخص قرآن کو اس کے مطالب کے ساتھ سیکھ لے اور اس کے بعد بھی اس عظیم نعمت کو حقیر شمار کرے یا کسی دوسری نعمت کو اس سے زیادہ بیش قیمت قرار دے اس نے درحقیت قرآن عظیم کو حقیر شمار کیا ہے اور اس دوسری نعمت کو جو حقیر وکمتر تھی عظیم وبرتر سمجھا ہے۔

تلاوت قرآن

کتاب ''وافی'' میں اور ''قرائة القرآن و ثواب القرائه'' تلاوت قرآن اور اس کا ثواب کے عنوان سے ایک باب ہے اس باب میں امام جعفر صادق سے ایک روایت نقل ہے، آپ نے فرمایا ''القرآن عهد الله الیٰ خلقه'' قرآن اللہ اور اسے کے بندوں کے درمیان ایک عہد و پیمان ہے'' اور چونکہ یہ عہد خدا ہے لہذا ہر مسلمان کیلئے سزاوار ہے کہ اللہ کے اس عہد کو دیکھے اور کم از کم ہر روز اس الٰہی عہد نامہ کی تلاوت کرے۔

اسی باب میں شیخ طوسی رہ کی کتاب ''تہذیب'' سے ایک حدیث نقل ہے کہ امام علی رضاؑ نے فرمایا:

ینبغی للرجل اذا اصبح ان یقرا بعد التعقیب خمسین آیه

انسان کے لئے بہتر ہے کہ نماز صبح کی تعقیبات کے بعد قرآن مجید کی پچاس آیتیں تلاوت کرے۔

کتاب ''وافی'' کے مولف نے تیسری حدیث کلینی سے نقل کی ہے امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا ''آیات القرآن خزائن و کل ما فتحت خزانة ینبغی لک ان تنظر فیها'' اگر چہ ملا فیض نے اپنی اس کتاب میں یہ حدیث ''قرات قرآن'' کے باب میں نقل کی ہے لیکن یہ حدیث '' قرآن میں تدبیر'' کے باب میں زیادہ مناسب ہے۔ حضرت فرماتے ہیں۔ قرآن کی آیتیں الٰہی خزانے ہیں۔ جب بھی کوئی خزانہ کھلے تو تمہارے لئے سزاوار ہے کہ اسے دیکھو اور اس پر غور کرو۔

ہر عہد اور ہر زمانہ میں قرآن کے بارے میں بے انتہا کتابیں لکھی گئیں اور لکھی جا رہی ہیں لیکن قرآن ایسا بحر بیکراں ہے کہ اس پر جتنا بھی لکھا اور بیان کیا جائے، اس کے تمام مطلب کا احصا نہیں کیا جا سکتا پس جب ان بیش قیمت خزانوں کا کوئی ایک خزینہ کھل جائے تو بہتر ہے کہ انسان اس میں دقت نظر کے ساتھ دیکھے اور اس پر غور و فکر کرے مولف نے اس باب کی چوتھی حدیث ابن

قداح سے نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ امام محمد باقرؑ نے مجھ سے فرمایا: پڑھو! میں نے عرض کیا: کیا پڑھوں؟ فرمایا قرآن کے نویں سورہ سے کچھ پڑھو۔ میں نویں سورہ کو تلاش کر رہا تھا کہ حضرت نے فرمایا: سورہ یونس سے پڑھو کیونکہ سورہ یونس قرآن کا نواں سورہ ہے۔ ابن قداح کہتے ہیں میں نے سورہ یونس کھولا اوران آیات کی تلاوت کی:" للذین احسنوا الحسنیٰ و زیادة ولا یرھق وجوھھم قتر ولا ذلة " اس آیت کریمہ کے شروع میں یہ جملہ ہے" واللّٰہ یدعوا الی دار السلام ویھدی من یشاء الی صراط مستقیم"(یونس آیت ۲۵ تا ۲۶) لوگ خداوند عالم کی طرف سے دی جانے والی دعوت کے سلسلہ میں دو گروہ میں بٹے ہوئے ہیں ایک اس دعوت و ہدایت کو قبول کرتا ہے اور دوسر گروہ اس سے انکار کرتا ہے۔ عاقبت حسنہ اور انجام خیران مومنین کا حصہ ہے جنھوں نے الٰہی دعوت کو قبول کیا اور اسکی آواز پر لبیک کہی ہے۔ کسی طرح کی سیاہی ان کے چہروں پر عارض نہیں ہوتی اور نہ کبھی کوئی ذلت ان کو نصیب ہوتی ہے۔

یہ جو اس آیت میں ارشاد ہے کہ کوئی سیاہی ان کے چہروں پر عارض نہیں ہوتی، اور دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے"یوم تبیض وجوہ تسور وجوہ" (آل عمران ۱۰۶) یعنی اس روز جبکہ بعض چہرے سفید اور بعض چہرے (گناہوں کے اثر سے) سیاہ ہو جائیں گے۔ یہ سیاہی جو گناہوں کے اثر سے چہرہ پر عارض ہوتی ہے، کوئی غیر فطری امر نہیں ہے، کیونکہ انسانوں کے اعمال و افعال اور ان کے چہرہ کی رنگ میں ایک ربط موجود ہے کہ مثال کے طور پر جب بھی کسی چیز سے خجل و شرمندہ ہوتا ہے تو اس کے چہرہ کا رنگ سرخ ہو جاتا ہے اور جب بھی وہ ڈرتا ہے چہرہ پر زردی چھا جاتی ہے۔ اور جب وہ گناہ کرتا ہے تو طبعی طور پر اس کا چہرہ سیاہ ہونا چاہئے لیکن خدا تعالیٰ اس کی آبرو کی حفاظت کی خاطر دنیا میں یہ رنگ اس کے چہرہ پر ظاہر نہیں کرتا روز قیامت آجائے اس وقت گنگار انسان کا چہرہ تاریک رات کی مانند اور صاحب ایمان و باتقویٰ انسان کا روشن اور سفید ہو کر خلائق کے سامنے ظاہر ہوگا۔

"اولئک اصحاب الجنة هم فیهاخالدون "(سورہ یونس، آیت ۲۶) یہی لوگ اہل جنت ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ابن قداح کہتے ہیں: میں نے سورہ مبارکہ یونس کی آیتیں یہاں تک کہ (للذین احسنو الحسنیٰ. قترولا ذلة) تک امام محمد باقرؑ کی خدمت میں تلاوت کیں، حضرت نے فرمایا: "حسبک" اسی قدر کافی ہے اس کے بعد فرمایا: "قال رسول اللّٰہ: انی لا عجب کیف لا اشیب اذا قرات القرآن" مجھے تعجب وحیرت ہے کہ جب میں قرآن پڑھتا ہوں تو بوڑھا کیوں نہیں ہو جاتا!

یہ ادب تلاوت ہے کہ پورے تاثر کے ساتھ قرآن پڑھا جائے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب بھی انسان قرآن کی تلاوت کرتا ہے جبکہ اس حالت میں اس کی زبان عبادت میں مشغول ہے اس کے تمام اعضاء وجوارح کو بھی عبادت میں مشغول رہنا چاہیے۔ گویا وہ سماعت و بصارت اور مختصر یہ کہ اپنے پورے وجود کے ساتھ قرآنی آیات سے بہرہ مند ہو اور ان کی تلاوت سے فائدہ اٹھائے۔

قرآن دیکھ کر اس کی تلاوت

اصول کافی کی کتاب "فضل القرآن" میں مصحف کے ذریعہ قرآن کی تلاوت کا ایک باب ہے اس میں معصومین علیہم السلام سے روایتیں نقل ہوئی ہیں اور اس مطلب کو بیان کرتی ہیں کہ بہتر ہے انسان قرآن کو خود کتاب کھول کر پڑھے۔

اسحاق بن عمار کہتے ہیں کہ میں نے امام صادق علیہ السلام سے دریافت کیا:

جعلت فداک. انی احفظ القرآن علی ظهر قلبی فاقراه علی ظهر قلبی افضل او انظر فی المصحف؟

آپ پر فدا ہو جاؤں میں قرآن کا حافظ ہوں! پس اگر میں قرآن کی تلاوت اپنے حفظ سے کروں یہ بہتر اور بافضیلت ہے یا قرآن کھولوں اور اسے دیکھ کر تلاوت کروں؟

حضرت نے جواب میں فرمایا:

"بل اقراه و انظر فی المصحف فهو افضل، اما علمت ان النظر فی المصحف عباوة بلکہ قرآن کو دیکھ کر اس کی تلاوت کرو، قرآن کھولو اور پڑھو یہ افضل ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ قرآن میں دیکھنا عبادت ہے؟

نہ صرف قرآن پڑھنا اور قرآن پر نگاہ ڈالنا عبادت ہے بلکہ قرآن کو اپنے ہمراہ رکھنا بھی عبادت ہے یہ معجز نما الفاظ ہیں جن کا جواب کوئی نہیں لاسکتا اور یہ خداوند عالم کا کلام ہے ان الفاظ کا اپنے ہمراہ رکھنا عبادت وثواب ہے۔

قرآن ہمراہ رکھنا

کتاب "وافی" کے باب اتخاذ المصحف و کتابۃ، میں حماد بن عیسیٰ امام صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا۔

"انه لیعجبنی ان یکون فی البیت مصحف یطرد الله به الشیاطین"

"مجھے یہ بات پسند ہے کہ گھر میں قرآن ہو، خداوند عالم اس کے ذریعہ شیطانوں کو دور کرتا ہے"

البتہ یہ بات واضح ہے کہ اپنے ہمراہ قرآن رکھنا اور اس کی حفاظت کرنا اسی صورت میں شیطانوں کو دور کرے گا جب اس کی تلاوت کی جائے۔ اس سے تعلیم حاصل کی جائے، اس سے تزکیہ و تعلیم کی بات پیش کی جائے اس کے مسائل واحکام کی تحقیق کی جائے اور ان پر عمل کیا جائے۔ اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا کہ قرآن گھر میں رکھ دیا جائے، اور اس پر گرد وخاک پڑتی رہے۔ مذکورہ پہلی صورت میں تو قرآن شفاعت کرے گا اور دوسری صورت میں خدا سے شکایت کریگا پس قرآن کی تلاوت کرنا اور قرآن کے ظاہر سے انس رکھنا ہی برکت ہے چہ جائیکہ اس سے بڑھ کر تعلیم حاصل کرنا اور آیات کی تحقیق کرنا۔

گھر میں قرآن پڑھنا

" البیوت التی یقرا فیھا القرآن "(یعنی وہ گھر جن میں قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے) کے باب میں شیخ کلینیؒ نے پیغمبر اسلامؐ سے ایک روایت نقل کی ہے، آنحضرتؐ نے فرمایا۔

" نور وا بیوتکم تلاوۃالقرآن ولا تتخذوھا قبوراً "

اپنے گھروں کو قرآن کی تلاوت کے ذریعہ روشن و منور بناؤ، انھیں قبرستان نہ بناؤ کیونکہ جس گھر میں قرآن کا ذکر نہ ہو وہ گویا خاندانی قبرستان ہے، زندگی بسر کرنیکی جگہ نہیں ہے، کیونکہ انسان اس وقت زندہ ہے جب اسکی زندگی میں قرآن شامل ہو۔ آنحضرتؐ مزید فرماتے ہیں۔

کما فعلت الیھودا والنصاریٰ؛ صلوا فی الکنائس والبیع و عطلو ابیوتم "

یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کے مانند اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، انھوں نے اپنے کلیساؤں اور عبادت خانوں میں نماز پڑھی اور مخصوص عبادت بجالائے۔ لیکن انھوں نے گھروں کو محروم و معطل رکھا۔

گویا عبادت صرف عبادت گاہوں میں ہوسکتی ہے۔ فان البیت اذاکثر فیہ تلاوۃ القرآن کثر خیرہ واتسع اھلہ واضاء لاھل السماء کما تضی بخوم السماء لاھل الدنیا پس بلا شبہ جس گھر میں قرآن کی تلاوت زیادہ ہوتی ہے اس گھر کی خیر و برکت بھی زیادہ ہوجاتی ہے اور وہ گھر اہل آسمان کے لئے یوں ضو بار ہوتا ہے جیسے آسمان کے ستارے اہل زمین کے لئے نورافشانی کرتے ہیں اسی سلسلہ کی ایک دوسری روایت ابن القداح، امام صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں، آپؑ نے فرمایا:

"وہ گھر جس میں قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اور خدا کا ذکر کیا جاتا ہے اس کی برکت زیادہ ہوتی ہے فرشتے اس میں حاضر ہوتے ہیں اور شیاطین اس گھر سے دور ہوجاتے ہیں وہ گھر اہل

آسمان کے لئے اس طرح نورافشانی کرتا ہے جیسے ستارے زمین والوں کیلئے چمکتے ہیں اور جس گھر میں قرآن کی تلاوت اور خدا کا ذکر نہیں ہوتا بلا شبہ اس کی برکت کم ہو جاتی ہے، فرشتے اس گھر سے دور ہو جاتے ہیں اور شیطانوں کا ڈیرا بن جاتا ہے۔"

اکثر آپ دیکھتے ہیں کہ انسان کبھی کوئی کام انجام دینے کی توفیق پا جاتا ہے یا کسی عبادت کے ادا کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے یا پھر خداوند عالم اسے کسی ایسے دینی خطرہ سے محفوظ رکھتا ہے جو اس کے گناہ میں مبتلا ہونے کا سبب بنتا ہے۔ یہ سب ان ہی قرآن آیات کی برکت کا نتیجہ ہے، جس کی اس نے گھر میں تلاوت کی ہے ایک اور روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

بلا شبہ وہ گھر جس میں ایک مسلمان قرآن پڑھتا ہے اہل آسمان اس گھر سے نور حاصل کرتے اور فائدہ اٹھاتے ہیں جیسے اہل زمین آسمان کے چمکدار ستارہ کو دیکھتے اور اس کے نور سے راہ تلاش کرتے ہیں۔

کتاب "وافی" کے باب النوادر میں جابر امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں، آپؑ نے فرمایا "ایک قرآن دریا میں گر پڑا لوگوں نے دیکھا کہ اس ایک آیت کے علاوہ اس کی تمام آیتیں دھل گئی ہیں! آگاہ رہو کہ تمام امور کی بازگشت خدا کی طرف سے ہے۔"

کیا لطیف تعبیر ہے یعنی جو کوئی بھی خدائی رنگ نہ رکھتا ہو اور خدا کے لئے نہ ہو وہ ضائع ہو جاتا ہے اور جو کچھ رہ جاتا ہے وہ ہر وجود سے خدا کے ارتباط کا پہلو ہے بقیہ سب کچھ محو اور زائل ہو جانے والا ہے۔ کیا اچھی تمثیل اور کیا بہترین آیت ہے۔

خوش الحانی کے ساتھ تلاوت

قرآن کی قرائت خوش الحانی اور اس پر غور کرنے کے بارے میں کافی میں تیرہ روایتیں نقل ہوئی ہیں ان میں سے ایک ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ: ورتل القرآن ترتیلاً کے کیا معنی ہیں؟ آپ نے فرمایا حضرت امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے "قرآن کو صحیح و درست بیان کرو یعنی حروف و الفاظ کو روشن و واضح انداز میں ادا کرو نہ شعر کی مانند سے تیزی اور عجلت کے ساتھ پڑھو اور نہ ریت کی مانند اسے اس قدر پراگندہ اور ایک دوسرے سے جدا نثر میں پڑھو بلکہ اس طرح سے پڑھو کہ تمھارے سخت دل نرم ہو جائیں اور کبھی تمہاری تمام فکر یہ نہ رہے کہ کس طرح جلد از جلد آخری سورہ تک پہنچ جاؤ۔"

تلاوت کا ادب

ادب تلاوت کے سلسلے میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک روایت نقل ہوئی ہے، آپؑ فرماتے ہیں" قرآن پڑھنے والا اگر تلاوت کے دوران ایسی آیت پر پہنچا جس میں خداوند عالم سے کسی چیز کی طلب اور درخواست کی گئی ہے تو بے فیض ہی نہ گزر جائے بلکہ خدا سے اپنے لئے خیر کی دعا کرے اور اگر ایسی آیت پر پہنچے جس میں ڈرانے خوف دلانے اور عذاب الٰہی کا تذکرہ ہو تو خدا سے پناہ طلب کرے اور آتش جہنم سے محفوظ رہنے کی دعا کرے۔

لہذا تلاوت کے آداب میں (قرآنی آیات کے سلسلہ میں) غور و فکر دعا اور استغاثہ بھی شامل ہے صرف پڑھ لینا ہی کافی نہیں ہے۔ اگرچہ پڑھنا بھی اجر و ثواب سے خالی نہیں ہے۔

قرآن ختم کرنے کی مدت

تلاوت کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان کتنی مدت میں قرآن ختم کرے؟

قرآن ختم کرنا ماہ رمضان میں ایسی خصوصیات رکھتا ہے کہ دوسرے مہینوں کو وہ خصوصیت حاصل نہیں ہے۔ جابر نے امام باقرؑ سے نقل کیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ہر چیز کی ایک بہار ہے اور قرآن کی بہار ماہ رمضان ہے۔ لہذا کہا گیا کہ ماہ رمضان میں انسان تین روز کے اندر قرآن ختم کرسکتا ہے۔ لیکن ماہ رمضان کے علاوہ زیادہ غور وفکر کے ساتھ پڑھے۔

شیخ کلینیؒ نے کافی میں ختم قرآن کی مدت سے متعلق باب میں کئی روایتیں نقل کی ہیں ان میں سے ایک روایت ہے کہ: ایک روز ابوبصیر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا۔

میں ماہ رمضان المبارک میں ہر شب ایک قرآن ختم کرسکتا ہوں، حضرتؑ نے فرمایا: نہیں ایسا نہ کرو پوچھا دو شبوں میں؟ حضرت نے فرمایا نہیں، دریافت کیا، پھر کیا تین شبوں میں قرآن ختم کرسکتا ہوں؟ حضرتؑ نے ہاتھ کے اشارہ سے اظہار کیا کہ قابل قبول ہے اس کے بعد فرمایا

''اے ابومحمد! ماہ رمضان ایک عظیم حق اور بڑے احترام کا سزاوار ہے کہ کوئی مہینہ اس کے جیسا نہیں ہے (پس اگر ماہ رمضان المبارک میں تمھیں اتنی تیزی کے ساتھ قرآن پڑھنے کی چھوٹ ہو تو دوسرے مہینوں میں ایسا نہیں ہے) حضرت پیغمبر السلامؐ کے اصحاب کرام میں سے ہر ایک قرآن کو ایک ماہ یا اس سے کم عرصہ میں ختم کرتا تھا بلاشبہ قرآن جلدی جلدی نہیں پڑھا جاتا بلکہ لفظ کو ڈھنگ سے اور غور کر کے پڑھا جاتا ہے پس اگر تم کسی ایسی آیت پر پہنچو جس میں جنت کا ذکر ہو تو وہاں ٹھہرو اور خداوند عالم سے جنت کے لئے دعا کرو اور اگر ایسی آیت پر پہنچو جس میں جہنم کا نام ہو تو وہاں رکو اور خداوند عالم سے آتش جہنم سے پناہ مانگو۔''

اس بنا پر تیزی اور جلد بازی کیساتھ قرآن پڑھنا درست نہیں ہے لہذا معمولا رمضان المبارک کے

علاوہ قرآن کو ایک ماہ یا اس سے زیادہ عرصہ میں ختم کرتے ہیں تا کہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ انسان اس پر غور و فکر بھی کرتا رہے۔

قرآنی سوروں کے فضائل

تلاوت قرآن کے آداب میں ایک اور بحث جو پیش آتی ہے وہ قرآنی سوروں کے فضائل ہیں۔ اس سلسلہ میں بہت سی روایتیں معصومینؑ سے نقل ہوئی ہیں۔ سورہ مبارکہ "حمد" کے بارے میں امام محمد باقرؑ سے نقل ہے کہ اگر اس سورہ نے کسی کو شفا نہ بخشی تو پھر وہ لاعلاج ہے۔

البتہ سورہ حمد صرف ظاہری امراض کا علاج نہیں ہے بلکہ باطنی و قلبی امراض کا علاج کرتی ہے وہی امراض جن کا قرآن میں ذکر آیا ہے۔(فی قلوبھم مرض) ان کے دلوں میں مرض ہے۔ بہر حال بہتر ہے کہ انسان پابندی کے ساتھ قرآن پڑھتا رہے یا کم از کم قرآن کے بعض سوروں کی تلاوت کی مداومت رکھے اور جس طرح رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر شب "مسبحات ستہ" کی تلاوت فرماتے تھے یوں ہی انسان کو چاہئے کہ سونے سے قبل ان مسبحات کی تلاوت کرے مسبحات ستہ سے مراد سورہ حدید، سورہ حشر، سورہ جمعہ، سورہ صف، سورہ تغابن اور سورہ اعلیٰ ہیں۔

جابر سے نقل ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص تمام مسبحات سونے سے پہلے پڑھا کرے اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک قائم آل محمدؑ کی زیارت نہ کرلے اور اگر مر گیا تو پیغمبر اسلامؐ کے جوار میں ہوگا۔ سورہ انعام کے سلسلہ میں وارد ہوا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: سورہ انعام جستہ جستہ نازل نہیں ہوا بلکہ ایک ہی بار میں نازل ہوا ہے۔ اس کے ہمراہ ستر ہزار فرشتے نازل ہوئے۔ اور اسے پیغمبر کی بارگاہ تک پہنچایا پس اس کی تعظیم و تکریم کرو کیونکہ اسم مبارک اللہ ستر مرتبہ اس سورہ میں آیا ہے۔ اگر لوگ یہ جان لیتے کہ اس کے پڑھنے میں کتنا اجر و ثواب ہے اسے کبھی ترک نہیں کرتے۔

بہر حال جس طرح بعض سوروں کی فضیلت میں روایتیں بیان ہوئی ہیں یوں ہی بعض آیات کے سلسلہ میں بھی الگ سے روایتیں نقل ہوئی ہیں شیخ کلینیؒ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں آپؑ نے فرمایا:

من استکفے بآیة من الشرق الیٰ الغرب کُفِیَ اذا کان بیقین

یعنی اگر کوئی شخص مشرق سے مغرب تک قرآن کی ایک آیت سے کفایت کا مطالبہ کرے اور اگر اسے یقین کے ساتھ پڑھے تو وہ ایک آیت اس کے لئے کافی ہے کیا قرآن میں نہیں آیا کہ ایس اللہ بکافی عبدہ کیا اللہ اپنے بندے کیلئے کافی نہیں ہے۔ اگر اللہ کافی ہے تو کلام اللہ بھی اگر یقین واعتقاد کے ساتھ پڑھا جائے کافی ہوگا۔

آداب تلاوت کی بحث کے تتمہ میں ہم کتاب ''وافی'' سے ایک دعا نقل کر رہے ہیں جس کا عنوان ہے ''باب الدعا عندقرائة القرآن'' تلاوت قرآن سے پہلے پڑھی جانے والی دعا کا باب۔ اس دعا سے استفادہ ہوتا ہے کہ تلاوت کا مطلب بغیر غور وفکر کے قرآن پڑھنا نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد ایسا پڑھنا ہے جو غور وفکر کیساتھ ہو صرف زبانی لقلقہ نہ ہو اور یہ آداب تلاوت کا تقاضا ہے۔ اس دعا میں آیا ہے۔

''خدایا! ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم قرآن کی بہتر تلاوت کریں، اس کی آیتوں کو حفظ کریں اس کے متشابہات پر یقین وایمان پیدا کریں اس کی محکم آیتوں پر عمل کریں اس کی تدبیر سے ہدایت اور اس کے نور سے بصیرت حاصل کریں۔''

''بارالٰہا! جس طرح تو نے قرآن کو اپنے اولیا اور دوستداروں کے لئے شفا اور اپنے دشمنوں کے لئے شقاو بدبختی اور اپنے گناہ گاروں کے لئے نابینائی اور اپنے اطاعت گزار بندوں کے لئے نور وروشنی بنا کر نازل کیا ہے۔ پس اسے ہمارے لئے اپنے عذاب سے محفوظ رکھنے والا محکم قلعہ اور اپنے قہر وغضب سے بچنے کے لئے پناہ گاہ اور گناہوں کے مقابلہ میں بند قرار دے۔

اور اسے ہمارے لئے یوم لقا کا وہ نور قرار دے جس سے ہم تیرے بندوں میں روشنی حاصل کریں اس کے ذریعہ صراط سے گزر جائیں اور جنت کی طرف ہماری رہنمائی کرے''

''خداوند ہم تجھ سے پناہ چاہتے ہیں کہ حامل قرآن ہونے کے باوجود شقاوت سے کام لیں علم قرآن سے اندھے ہوں، اس کے معارف کو نہ سمجھیں اور اس کے احکام میں ستم وجور کو روا رکھیں اس کی راہ سے تجاوز کریں اور اسکا حق ادا نہ کریں'' سبیل قصد وہی درمیانی راہ اور صراط مستقیم ہے جسے بہر حال طے کرنا چاہیے اور اس سے کسی طرح روگردانی اور گریز نہیں کرنا چاہیئے خداوند عالم نے قرآن میں جس راہ کی نشاندہی کی ہے وہی صراط مستقیم ہے اور نجات کی وہی راہ ہے اگر کسی نے اس سے گریز کیا تو گویا راہ خدا کو طے نہیں کیا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔

وعلیٰ اللّٰہ قصد السبیل ومنھا جائز ولو شاء لھداکم اجمعین'' (سورہ نحل / آیت ۹)

یہ خدا پر ہے کہ تمھیں سیدھی راہ کی نشان دہی کرے اور دوسری راہ بھی ہے جو گمراہی کی راہ ہے (پس خدا کی راہ سے گریز نہیں کرنا چاہیئے) اور اگر خدا چاہتا تو تم سب کو ہدایت کر دیتا۔ اس بنا پر جو لوگ خدا کی راہ سے دور ہوئے اور اس سے گریز کیا وہ منحرف وگمراہ ہو گئے۔ ہمیں ہمیشہ خداوند عالم سے دعا کرنی چاہیئے کہ اس قرآن کے ذریعہ اپنی سیدھی راہ ہم پر کھول دے اور یہ قرآنی آیات میں غور و فکر نیز الٰہی احکام کے مقابل تسلیم وخضوع کے ذریعہ ہی میسر ہے۔

خداوندا! قرآن کی سنگینی ہمارے دوش سے ہٹالے، اس کی جزا ہمیں عطا فرما، اس نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق کرامت فرما اور ہمیں ایسا بنادے کہ اسے اچھی طرح سمجھیں اور حفظ کریں۔

ظرف قرآن

''اذن واعیہ'' کی بحث میں یہ بات گزر چکی ہے کہ صرف وہی لوگ مفاہیم ومعارف قرآن کو درک کر سکتے ہیں جو غور سے سننے والے کان رکھتے ہیں، یعنی ان کے دل معارف قرآن کا ظرف ہیں، قرآن ارشاد فرماتا ہے''وتعیہا اذن واعیۃ'' یعنی اسے یاد رکھنے والے کان سن کر یاد رکھیں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا بھی ارشاد گرامی ہے۔

''انّ ھذہ القلوب اوعیۃ فخیر ھا اوعاھا''

یہاں انسان خدا سے یہ دعا کرتا ہے کہ ہمیں وہ توفیق عطا کر دے کہ ہماری جان اور ہمارے قلب قرآن کا ظرف بن جائیں کیونکہ اگرچہ قرآن کے قاری اور اس کی تلاوت کرنے والے بہت ہیں لیکن وہ افراد جن کے قلوب اور جن کی جانیں قرآن کا ظرف ہیں وہ بہت کم ہیں۔ انسانوں کی درجہ بندی کے سلسلہ میں حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کی ایک مشہور حدیث ہے آپ کمیل ابن زیاد سے فرماتے ہیں۔

انسان تین طرح کے ہیں: ایک عالم ربانی دوسرا راہ نجات کا طالب علم ہے اور تیسرے۔۔۔ اس روایت میں حضرت علی علیہ السلام نے عالم ربانی اور راہ نجات کے متعلم کو مفرد تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ یہ گروہ بہت ہی مختصر سا ہے۔ لیکن تیسرا گروہ جس کی تعداد بہت ہے اسے صیغہ جمع کے ساتھ ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ جن کے قلوب قرآن کا ظرف ہیں، بہت تھوڑے ہیں اور اس دعا میں ہم خدا سے طلب کرتے ہیں کہ ہمیں بھی اس گروہ میں قرار دے۔

خدایا! ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم قرآن کے حلال کی پیروی کریں اور اس کے حرام سے پرہیز کریں، اس کے حدود کو قائم کریں اور اس کے فرائض ادا کریں۔

اس سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہم سے جس تلاوت کا مطالبہ کیا گیا ہے وہ غور وفکر کے ساتھ

ہے ورنہ اگر تلاوت سے مراد بغیر غور وفکر کے صرف قرات ہوتی تو کوئی ضرورت نہیں تھی کہ قرات سے پہلے انسان خدا سے اس طرح کی درخواست کرتا ہے۔

خدایا! ہمیں قرآن کی تلاوت میں حلاوت ولذت ونشاط عطا فرما۔ (یعنی قرآن کی تلاوت سے ہم لذت حاصل کریں تکلیف نہ محسوس کریں) اور جب اس کی آیتوں کی تلاوت کریں تو خوف و خشیت ہمارے دل میں پیدا ہو۔ ہمیں وہ قوت وتوانائی عطا کر کہ دن رات کے تمام اوقات میں اسے بروئے کار لاسکیں اور اسے استفادہ کریں۔

یہ جو اس دعائے شریفہ میں آیا تھا کہ، خدایا ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہمارے دل معارف قرآن کا ظرف بن جائیں یہ اس لئے کہ اگر کوئی شخص قرآن کے مقابل تسلیم وخصوع سے کام نہ لے گا تو اس کے معارض کو سمجھنے سے محروم رہ جائے گا۔

ساصرف عن آیاتی الذین یتکبرون فی الارض بغیر الحق(اعراف/۱۴۶)

خداوند عالم مغرور اور متکبر انسانوں کو توفیق نہیں دیتا کہ وہ قرآنی معارف وحقائق کو سمجھ سکیں۔ لہذا تکبر کرنے والا انسان آیات الٰہیہ سے چاہے وہ تکوینی آیات ہوں یا تدوینی۔ آگاہ نہیں ہوسکتا۔ اور نہ ان کی معرفت حاصل کرسکتا ہے۔

قرآن سے تمسک اور اس کے احکام پر عمل

فصل اول کے تین امور میں سے پہلا امر جو تلاوت سے مخصوص تھا اس میں تلاوت کی کیفیت اور اس کی ذمہ داری وغیرہ سے متعلق باتیں بیان کی گئیں اب اس امر کے تحت آنے والے دو ابواب یعنی قرآن سے تمسک اور اس پر عمل کے باب اور نزول قرآن کے باب پر یہاں اجمال کے ساتھ بحث جاری ہے۔

قرآن سے تمسک اختیار کرنا

قرآن سے تمسک اور اس پر عمل کے باب میں کافی کے اندر کئی روایتیں نقل ہوئی ہیں جن میں سے ایک طویل حدیث یہاں نقل کر رہے ہیں امام صادق علیہ السلام حضرت رسول خدا صلے علیہ و آلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

"ایھا النّاس انکم فی دار ھد نۃ وانتھ علی طھر سفرِ و اسیر بکم سریع"

اے لوگو! ابھی تم آرام کی جگہ اور صلح و آشتی کی منزل میں زندگی بسر کر رہے ہیں ہو۔ تم ابھی راہ میں ہو اور تمھیں تیزی کے ساتھ لے جایا جا رہا ہے۔

"وقد را یتم اللیل والنھار والشمس والقمر یلبیان کل جدید ویقربان کل بعید و یاتیان بکل موعو دفا عدو والجھاز لبعد المجاز

بلاشبہ تم نے دیکھا کہ شب و روز اور آفتاب و ماہتاب کی گردشیں ہر نئی چیز کو کہنہ بنا دیتی ہیں، اور ہر دوری کو نزدیک کر دیتی ہیں اور زمانہ کی یہ رفتار ہر وعدہ کی ہوئی چیز کو تمھارے سامنے پیش کرتی ہے، پس طویل مسافت کے لئے وسلیہ کی ضرورت ہے۔

قال: فقام المقداد بن الاسود فقال: یا رسول اللہ وما دار الھدنۃ؟ قال دار بلاغ و انقطاع"

اس وقت مقداد بن اسود کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ: دار ہدنہ " کیا ہے؟ فرمایا ایسا گھر جو پہنچانے والا اور جدا کرنے والا ہے (کیونکہ انسان کو آخرت کی منزل تک پہنچاتا ہے اور انسان دنیا میں جس جس چیز سے لگاؤ اور دوستی رکھتا ہے اس سے اسے جدا کر دیتا ہے)

قرآن شفیع بھی ہے اور شاکی بھی

" فاذ السبت علیکم الفتن کقطع المیل المظلم فعلیکم بالقرآن فانه شافع مشفع وما حل مصدق "

پس اگر فتنے اور آشوب تاریک رات کے حصوں کے مانند تمھیں ڈھانپ لیں تو قرآن کی طرف رجوع کرو کیونکہ قرآن ایسا شفاعت کرنے والا ہے جس کی شفاعت خدا کے یہاں مقبول ہے اور ایسا عرض گزار ہے جس کی شکایت قابل قبول ہے۔

سچ ہے! اگر قرآن قیامت کے دن تمہاری شفاعت کرے اور تمہارے حق میں کلام کرے تا کہ خدا تمہارے ساتھ از روئے عدل پیش نہ آئے بلکہ رحمت کو عدل کا ساتھی قرار دے اور صرف خدائے عادل نہیں بلکہ خدائے عادل و رحیم تمہارا حساب و کتاب کرے تو قرآن کی شفاعت مقبول قرار پائے گی۔ چنانچہ اگر خداوند عالم صرف عدالت کے ساتھ آپکا حساب و کتاب کرے گا تو بڑی مشکل پیش آئے گی لیکن اگر رحمت بھی عدالت کے ساتھ شامل ہو گئی اور دونوں نے باہم آپ کا حساب و کتاب کیا نجات کی امید پیدا ہو جائے گی۔

جس طرح قرآن کی شفاعت خدا کے نزدیک قبول ہے یوں ہی اگر خدانخواستہ وہ تمہاری شکایت کرے اور تمہاری بد اعمالیاں بیان کرے اور روز جزا کے مالک سے تمہاری شکایت کرے تو خداوند عالم اس کی شکایت کی تصدیق کرے گا، کیونکہ قرآن اللہ کا کلام ہے پس اگر وہ بندوں کی شکایت صاحب کلام تک پہنچائے تو متکلم اپنے کلام کی تصدیق کرے گا اور اس پر یقین کرے گا۔

اور وہ دن بہت سخت و دشوار ہے کہ قرآن مجید شفاعت کی بجائے ہماری شکایت کرے۔

قرآن بہترین رہنما

" ومن جعله امامه ، قاده الیٰ الجنة ومن جعله خلفه ساقهٗ الیٰ النار "

جو قرآن کو اپنے سامنے رکھے اور اس کی پیروی کرے تو قرآن اس کا ذمہ دار ضامن ہوگا اور اسے جنت کی جانب روانہ کرے گا اور جو شخص قرآن کو پس پشت ڈال دے (بنذ کتاب الله وراء اظهره) قرآن اسے دوزخ اور عذاب الٰہی کی طرف ہنکالے جائیگا۔

" وهو الدليل يدل على خير سبيل "

اور قرآن ایسا راہنما ہے جو بہترین راہ کی نشان دہی کرتا ہے۔

" وهو كتاب فيه تفصيل وبيان و تحصيل و هو الفصل ليس بالهزل "

وہ ایسی کتاب ہے جس میں ہر چیز کی تفصیل اور اس کا بیان ہے، اس سے حقائق حاصل ہوتے ہیں اور کوئی مبہم بیان اس میں نہیں پایا جاتا۔ وہ جو بات بھی کہتا ہے سنجیدہ اور فیصلہ کنندہ ہے اس میں کبھی مذاق اور غیر سنجیدگی نہیں پائی جاتی۔

باطن قرآن کو سمجھنے کے لئے وراثتی علم ضروری ہے۔

" لهٗ ظهر وبطن " قرآن میں ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔

قرآن کے ظاہر کو ظاہری علوم کے زریعہ حاصل کیا جاسکتا ہے لیکن اس کے باطن کو ظاہری، علوم سے نہیں سمجھا جاسکتا۔ امام صادق علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص تھا جو ایک مدرسہ کا استاد تھا اور اس نے فقہی و دینی مسائل میں کئی کتابیں بھی لکھی تھیں۔ ایک روز امام علیہ السلام نے اس سے دریافت فرمایا: "بماذا تفتی الناس" کس چیز کے زریعہ فتوی دیتے ہو؟ اس نے عرض کی "بالقرآن" میں قرآن سے لوگوں کو فتوی دیتا ہوں۔ حضرتؑ نے فرمایا: تو قرآن سے فتوی دیتا ہے جبکہ خداوند

عالم نے تجھے قرآن سے ایک حرف بھی عطا نہیں کیا ہے اور تو نے قرآن کے ایک حرف کی بھی میراث نہیں پائی" وما ورثک اللہ من القرآن حرفاً.

وہ شخص جو ایک فرقہ کا پیشوا تھا اور جس نے قرآن کے احکام و مسائل سے متعلق کتابیں لکھی تھیں۔

امام اس سے فرماتے ہیں تجھے قرآن کا ایک حرف بھی میراث میں نہیں ملا ہے۔ کیونکہ پڑھ لکھ کر حاصل کیا جانے والا علم قرآن کے ظاہر تک تو پہنچ سکتا ہے لیکن باطن قرآن کو وراثتی علم کے بغیر حل نہیں کیا جاسکتا اور جو وارث انبیاء ہے صرف وہی باطن قرآن سے کچھ حاصل کرسکتا ہے۔ اگر ایسے علماء پیدا ہوں جو حقیقتاً انبیاء اور ان کے اوصاف کے وارث ہوں تو وہ باطن قرآن تک پہنچ سکتے ہیں مگر جس نے علمی طور سے انبیاء کی راہ کو ترک کر دیا اور ظاہر قرآن کا کچھ علم حاصل کرلیا وہ قرآن کی میراث سے کچھ بھی نہ پائے گا۔

فظاهره حكم و باطنه علم، ظاهره انيق و باطنه عميق له تخوم و على تخومه تخوم لا تحصى عجائبه ولا تبلى غرائبه"

قرآن کا ظاہر حکم اور دستور ہے اور اس کا باطن علم و دانش ہے۔ اس کا ظاہر خوبصورت ہے اور باطن دقیق و عمیق اس میں گہرائیاں پائی جاتی ہیں اور ان گہرائیوں میں بھی گہرائیاں ہیں۔ اس کے عجائب وغرائب نا قابل شمار اور سدا بہار ہیں جو کبھی فرسودہ نہ رہوں گے۔ (کیونکہ قرآن صاحب علم و حکمت خدا کی طرف سے آیا ہے اور شب و روز، زمانہ کی گردشوں اور آفتاب و ماہتاب کے طلوع و غروب سے بالاتر ہے لہذا وہ کبھی زمان و مکان کی گردشوں سے فرسودہ و کہنہ نہ ہوگا)

قرآن الٰہی جلوہ گاہ

قرآن میں ہدایت کے چراغ، حکمت کی نشانیاں اور معرفت کی دلیلیں موجود ہیں لیکن یہ سب اس کے لئے ہے جو ان علامتوں اور صفتوں کو پہنچاتا ہو پس آگے بڑھنے والا صاحب تحرک یہ چاہتا ہے کہ اپنی آنکھوں کو اور جلا بخشے اور بغور مشاہدہ کرے تا کہ اس صفت کو درک کر سکے نیز ہلاکت سے نجات اور جہالت سے چھٹکارا پا سکے۔

قرآن اس الٰہی سائن بورڈ کے مانند ہے جو انسانی زندگی کی راہ میں نصب کیا گیا ہے لیکن اس کے لئے پاک فطرت کی ضرورت ہے تا کہ اس میں لکھی ہوئی علامتوں اور نشانیوں کو حاصل کر سکے اور حقیقت بینی کی ضرورت ہے تا کہ ان صفات کو دیکھ سکے جو شناخت و معرفت کا سبب ہیں اور ان صفات کو درک کرتے ہوئے خود کو ہلاکت و جہالت سے دور کرے اور دوسروں کو بھی نجات بخشے۔

اس کے بعد آنحضرتؐ استدلال فرماتے ہیں:

صاحب بصیرت انسان غور وفکر کے ذریعہ زندہ ہے۔ اور فکر ہی انسانی دل کو حیات بخشتی ہے۔ بالکل یوں ہی جیسے روشنی کا طالب نور یا چراغ کے ذریعہ اندھیروں اور تاریکیوں میں راہ طے کرتا ہے پس تم پر لازم ہے کہ بہترین انداز میں نجات و رہائی کی کوشش کرو اور اس کے انتظار میں کم رہو (تم ایسے مسافر کے مانند ہو اگر جلدی نہیں گئے اور خود کو مشغول رکھا تو خواہ مخواہ تمہیں خود ہی لے جایا جائے گا پس خود زمین پر جم کر نہ رہ جاؤ اور اس سے پہلے کہ لوگ تمہیں لے جائیں تم خود چلے جاؤ اور چھٹکارا حاصل کرو اور قید و بند نیز دنیا کے روابط و تعلقات سے اپنا دل ہٹا لو)

قرآن کی ہدایت ونورانیت

شیخ کلینی امیرالمومنین علیہ السلام سے ایک دوسری روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ نے اپنے اصحاب وانصار سے فرمایا: اعلمون القرآن هدی النهار ونور الیل المظلم علیٰ ما کان من جهدو ما فة"

جان لوکہ قرآن دن میں ہدایت اور رات میں روشنی ونورانیت فراہم کرتا ہے اگرچہ حاملان قرآن جدوجہد میں مصروف اور فقروفاقہ میں مبتلا یعنی مشکلات کا دباؤ اور تنگ دستی ان کی روشن ضمیری میں آڑے نہیں آتی جبکہ اکثر حاملان قرآن زیادہ تر زندگی کے مشکلات اور فقروتنگدستی کا شکار رہتے ہیں پھر بھی ان دونوں فضیلتوں یعنی دن کی ہدایت اور تاریک رات کی نورانیت سے شرف یاب ہوئے ہیں۔

ابن بابویہ قمیؒ نے ایک روایت نقل کی ہے جس میں حضرت علی علیہ السلام اپنے فرزند محمد حنفیہ سے فرماتے ہیں:

''میں تمھیں قرآن کی تلاوت اور اس کے احکام پر عمل کی تاکید کرتا ہوں۔تم پر اس کے فرائض، واجبات، شرائع، حلال وحرام اور امرونہی کی پابندی ضروری ہے، قرآن کے ساتھ شب زندہ داری کرو۔ رات اور دن میں قرآن پڑھنا چونکہ یہ قرآن خداوند عالم کا اپنے بندوں کی طرف بھیجا ہوا عہدوپیمان ہے لہذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ خدا کے اس عہد پر نظر ڈالے چاہے ہر روز پچاس آیت ہی کیوں نہ پڑھے۔''

جنت کے درجے آیات قرآن کے برابر

جان لو کہ جنت کے درجات قرآن کی آیتوں کے برابر ہیں۔ پس جب قیامت کا دن نمودار ہوگا تو قرآن کی تلاوت کرنے والے سے کہا جائے گا کہ تلاوت کرو اور بلندی حاصل کرو۔ یعنی جس قدر اس دنیا میں قرآن پڑھا اور اس کی تعلیم حاصل کی تھی اسی قدر قرآن وہاں ظاہر ہوگا۔ اور اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا آخرت میں اس کی ترقی اور درجات کی بلندی دنیا میں اس کے قرآن پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی مقدار سے تعلق رکھتی ہے۔ بلاشبہ جنت میں انبیاء وصدیقین کے بعد حاملان قرآن سے بڑھ کر کسی کا درجہ نہیں ہے، لہذا جنت کے درجوں کو قرآنی آیات کے ذریعہ حاصل کرنا چاہیئے۔

قرآن کی جامع تعریف

شیخ کلینی نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں آنحضرتؐ نے چند جملوں میں قرآن کی جامع وکامل تعریف بیان فرمائی ہے۔

یعنی قرآن مندرجہ ذیل فضائل واوصاف کا حامل ہے۔

۱۔ رہنما اور گمراہوں کی ہدایت کرنے والا۔

۲۔ ہر اندھے کو بینائی عطا کردیتا ہے۔

۳۔ ہر طرح کی لغزش سے بچاتا ہے۔

۴۔ ہر طرح کی ظلمت وتاریکی کے لئے نور وروشنی ہے۔

۵۔ ہر حادثہ میں امید کی کرن ہے۔

۶۔ ہر ہلاکت سے بچانے والا ہے۔

۷۔ ہر طرح کی گمراہی میں راہ راست دکھانے والا ہے۔

۸۔تمام فتنوں کو واضح کرنے والا ہے۔

۹۔انسان کو دنیا سے آخرت کی جانب لے جاتا ہے۔

۱۰۔تمہارے دین کا کمال قرآن ہے۔

۱۱۔جس نے بھی قرآن سے منہ موڑا و اصل جہنم ہوا۔

''کافی'' کتاب فضل القرآن میں دوسری روایتیں بھی ہیں جنھیں دقت نظر سے پڑھنا مفید ہوگا ہم نے یہاں چند روایتیں نمونہ کے طور پر نقل کی ہیں۔

اب چند روایتیں نزول قرآن کے سلسلہ میں کہ قرآن کب نازل ہوا اور کس سلسلہ میں نازل ہوا۔

پورا قرآن ایک مرتبہ میں نازل ہوا یا رفتہ رفتہ ۔۔۔۔۔۔۔۔ اس بحث کو آئندہ ذکر کریں گے۔

قرآن کی شان نزول

قرآن کب نازل ہوا؟

اس سلسلہ کی آخرت بحث نزول قرآن کی بحث ہے کہ قرآن کس وقت نازل ہوا؟

سورہ دخان'' میں ارشاد ہوتا ہے۔

إنا انزلناه فی لیلة مبارکة انا کنا منذرین فیها یفرق کل امر حکیم (دخان ۲ و ۳)

ہم نے قرآن کو مبارک شب میں نازل کیا تا کہ لوگوں کو قیامت کے عذاب سے ڈرائیں۔ اس شب میں ہر باحکمت امر جدا اور مشخص ہوتا ہے۔

سورۃ ''قدر'' میں اس مبارک شب کو واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے:۔

انا انزلنا فی لیلة القدر ''ہم نے قرآن کو شب قدر میں نازل کیا۔

اس طرح معلوم ہوا کہ وہ مبارک شب وہی شب قدر ہے۔ سورہ بقرہ میں بھی شب قدر مشخص کی جاتی ہے کہ وہ ماہ رمضان میں ہے:۔

" شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن "(آیت ۱۲۵)

ماہ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔

قدر کے معنی محاسبہ اور اندازہ گیری کے ہیں، اس بناپر نزول قرآن کی یہ شب امور کو جدا جدا کرنے اور محاسبہ کرنے کی شب ہے جو ماہ رمضان المبارک میں ہے لہذا روایت میں اس ماہ کو'' ربیع القرآن'' بہار قرآن کا مہینہ کہا گیا ہے اور رمضان المبارک قرآن کے نزول کی بناپر اہمیت وشرف کا حامل بن گیا ہے، روزہ کی وجہ سے نہیں، کیونکہ قرآن ایسی ہزاروں برکتیں اور حکم اپنے ہمراہ لایا ہے

جن میں سے ایک روزہ ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بعض آیات اور حدیث و تاریخ کے قطعی دلائل کے مطابق قرآن حضرت رسول اکرمؐ کے رسالت کے تئیس سال کے عرصہ میں بتدریج اور رفتہ رفتہ نازل ہوا ہے پھر مذکورہ بالا آیتیں رمضان المبارک کی ایک شب میں پورے قرآن کے نزول پر کیسے ولادت کرتی ہیں؟ مثال کے طور پر سورہ فرقان میں ارشاد ہوتا ہے:۔

وقال الذین کفرو الولا نزل علیہ القرآن جملۃ واحدۃ کذالک لنثبت بہ فوارک ور تلناہ ترتیلاً (آیت ۳۲)

کافروں نے کہا، قرآن ان (رسولؐ) پر یکبارہکیوں نہیں نازل ہوا (اے رسولؐ) ہم نے تمھارے قلب کوآرام بخشنے کے لئے اسے (قرآن کو) ایک روش کے ساتھ اور مشخص اور معین ترتیب کے تحت بھیجا اور تم پر تلاوت کی"

تدریجی نزول یا دفعی نزول

اگر ہم "انزلناہ" کی ضمیر بعض آیات کی طرف پلٹائیں اور کہیں کہ قرآن کا کچھ حصہ شب قدر میں نازل ہوا ہے تو اول یہ کہ شب قدر بھی اور دوسرے اوقات کی صف میں شامل ہو جائے گی کہ دوسری آیتیں ان اوقات میں نازل ہوئیں پھر اس شب کے لئے کوئی فضلیت و امتیاز نہیں رہ جاتا۔

دوسرے یہ کہ سورہ دخان میں پہلے حٰم و الکتاب المبین" آیا ہے اور پورے قرآن کی بات ہے اور یہ ضمیر اس کی طرف پلٹتی ہے۔ نیز یہ بات انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ اور "شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن" کے ظاہری مفہوم سے میل نہیں کھاتی اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہاں مراد قرآن کے کچھ حصہ کا نزول ہے جبکہ اکثر و بیشتر قرآن ماہ رمضان کے علاوہ اور دنوں میں نازل ہوا ہے۔ لہذا مفسرین نے اس اعتراض کے جواب میں کہا ہے کہ قرآن کا نزول دو طرح سے ہے۔

(۱) تدریجی نزول، جسے تنزیل کہتے ہیں۔

(۲) دفعی اور یکبارگی نزول جسے انزال کہتے ہیں۔

اسی بنا پر جہاں ماہ رمضان میں نزول قرآن کی بات آئی ہے وہاں لفظ انزال" یا مادہ انزال کا ذکر ہے مثلاً "انا انزلناہ فی لیلۃ القدر. " انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ"

شہر رمضان الذی فیہ القرآن".

اور جہاں تدریجی نزول کی بات کی گئی ہے وہاں تنزیل کی تعبیر استعمال ہوئی ہے۔ اور ادبی نقطہ نظر سے انزال وتنزیل۔ جو باب افعال وتفعیل سے ہیں۔ کے درمیان یہی دفعی اور تدریجی نزول کا فرق ہے۔ یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ اگر تمام قرآن شب قدر میں پیغمبر اکرمؐ پر نازل ہوا تو پیغمبر کوئی واقعہ یا نیا مسئلہ پیش آنے کی صورت میں اس سے متعلق حکم یا دستور نازل ہونے تک صبر کیوں فرماتے تھے؟ مثال کے طور پر سورہ "مجادلہ" میں ارشاد ہے:۔

قد سمع اللّٰہ قول التی تجادلک فی زوجھا وتشتکی الی اللہ واللّٰہ یسمع تحاورکما ان اللہ سمیع البصیر (آیت ۱)

اے پیغمبرؐ بے شک خداوند عالم نے اس عورت کی بات سنی جو اپنے شوہر کے بارے میں تم سے بحث کررہی ہے اور اپنی شکایت خدا تک پہنچارہی ہے، خدا تم دونوں کی باتیں سنتا ہے درحقیقت خدا سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

اس آیت میں ہم دیکھتے ہیں کہ میاں بیوی کے درمیان ایک مشکل پیش آتی ہے اور اسکا جواب پیش کیا گیا ہے۔ اسی طرح کے دوسرے موارد مثلاً جنگ وصلح وغیرہ کہ اصحاب نے سوال کرتے تھے اور نیا حکم نازل ہوتا تھا۔ اس سوال کا جواب سورہ طٰہٰ آیت ۱۱۴ میں ہے وہاں ارشاد ہوتا ہے۔

"ولا تعجل بالقرآن من قبل ان یقضی الیک وحیہ"

اے پیغمبرؐ وحی تمام ہونے سے پہلے (یعنی جب تک فرشتہ وحی آپ پر وحی کی تلاوت نہ کردے)

آپ آیت پڑھنے اور تلاوت میں جلدی نہ کریں۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت قرآن کی تمام آیتوں کا علم رکھتے تھے اور وہ آپ کو حفظ تھیں اور کبھی کبھی وحی تمام ہونے سے پہلے بقیہ آیت کی تلاوت فرما دیتے تھے۔ نیز اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن دو بار نازل ہوا ہے۔ ایک نزول دفعی تھا یعنی تمام آیتیں یکجا نازل ہوئیں اور دوسری بار تدریجی نزول جس میں آیتیں مختلف مناسبتوں کے تحت نازل ہوئیں مثلاً سورہ مجادلہ کی پہلی آیت ہے ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ لہذا مذکورہ آیت جس میں حضرت کو تمام آیت پڑھنے سے روکا گیا ہے یہ اس بات کی بہترین دلیل ہے کہ آنحضرت کو وحی تمام ہونے سے پہلے (اس مخصوص واقعہ یا مناسبت کے سلسلہ میں) پوری آیت کا علم تھا۔

شان نزول

نزول قرآن کی بحث میں ایک دوسری بات جو سامنے آئی ہے شان نزول ہے۔ شان نزول، قرآن کے معانی سمجھنے اور آیت کی تفسیر کرنے کے سلسلے میں کیا اہمیت رکھتی ہے؟ وہ مورد جو کسی آیت کی شان نزول میں بیان ہوتا ہے کیا اسی آیت سے مخصوص ہے اور اسے کسی دوسرے مورد پر منطبق نہیں کیا جا سکتا یا شان نزول ایک مصداق بیان کرنے کے علاوہ کچھ اور نہیں کرتی اور اس کے ذریعہ آیت کے معنی سمجھنے میں مدد ملتی ہے؟ یا درحقیقت کسی آیت یا سورہ کے سلسلہ میں شان نزول صرف ایک راہ نما کی حیثیت رکھتی ہے ایسا نہیں کہ آیت یا سورہ شان نزول سے مخصوص اور کسی دوسرے مصداق سے مطابقت نہ رکھتا ہو؟ کیا اس آیت کے یہ معانی اور عنوانات اسی مخصوص مصداق (شان نزول) میں استعمال ہوتے ہیں یا کلی معانی کے تحت استعمال ہوتے اور اس خاص مورد سے مطابقت رکھتے ہیں؟ اس سلسلہ میں مرحوم ملا محسن فیض نے امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک روایت نقل کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:۔

قرآن مجید تین حصوں میں نازل ہوا ہے: ایک تہائی ہمارے اور ہمارے دوستوں کے بارے میں ایک تہائی ہمارے دشمنوں نیز ہم سے پہلے کے انبیاء و اولیاء کے دشمنوں کے بارے میں اور ایک تہائی احکام اور تمثل وغیرہ سے متعلق ہے۔

حضرتؑ کی اس تقسیم سے معلوم ہوتا ہے کہ مجموعی طور سے قرآنی مطلب ان ہی تین قسموں میں منقسم ہوتے ہیں ایک حصہ انبیاء ائمہ اور اولیا کے بارہ میں ایک حصہ ائمہ کے دشمنوں اور گزشتہ انبیاء و اولیا کے دشمنوں کے بارے میں اور تیسرے حصہ احکام، الٰہی، سنتوں اور امثال و حکم سے متعلق ہے"۔

شان نزول کی کوئی مشخص حیثیت نہیں

یہاں اسی روایت کا بقیہ حصہ بیان کرتے ہیں کہ حضرتؑ نے فرمایا:۔

" ولو ان الآیۃ اذا نزلت فی قوم ثم مات اولئک القوم ماتت الآیۃ لما بقی من القرآن شئی"۔

اگر کوئی آیت کسی قوم یا کسی گروہ کے بارے میں نازل ہوئی اور وہ قوم ختم ہوگئی لہذا آیت بھی ختم ہوجاتی تو قرآن میں کچھ باقی نہ بچتا۔

اس بنا پر اگر قرآن کی کوئی آیت گذشتہ اقوام میں سے کسی قوم کے بارے میں نازل ہوئی اور وہ قوم تباہ اور ختم ہوگئی اور آیت موروِ نزول سے مخصوص ہوئی اور آیت کی شان نزول کی حثیت مشخص و معین کرنے اور محدود کرنے والی ہوئی تو جب وہ قوم صفحہ ہستی سے مٹی آیت بھی تمام ہوجائے گی اور صرف تلاوت کی حد تک لفظی وجود باقی رہ جائے گا لیکن ایسا نہیں ہے کیونکہ: جو آیت کسی ایک سلسلہ میں نازل ہوئی کسی ایک مورد میں ایک اصل کلی کے مطابق ہے اسی امر سے مخصوص نہیں ہے، پس اگر ایک کلی کی مطابقت کسی ایک مورد سے کریں یا کسی خاص مورد میں ایک حکم کلی صادر ہو تو نزول آیت کے اس مورد کے برطرف ہوجانے یا ختم ہوجانے سے آیت کے کلی مفہوم میں کوئی تغیر

پیدانہیں ہوتا اور نہ آیت کی حجیت ختم ہوتی ہے کیونکہ اگر ایسا ہوگا تو قرآن میں کچھ باقی ہی نہ بچے گا اس لئے کہ اس کا زیادہ تر حصہ ان احکام سے متعلق ہے جو لوگوں کی ضرورتیں پوری کرتے رہے ہیں اور یہ احکام بدلنے والے نہیں ہیں۔

مثال کے طور پر

کفار کے ساتھ پیغمبر اسلام کی جنگوں میں دو ایسے واقعے پیش آئے: ایک واقعہ ایسے گروہ سے مربوط تھا جنھوں نے وفاداری کا عہد کیا تھا لیکن وہ اپنا عہد توڑ کر میدان سے فرار کر گئے اور دوسرا واقعہ ایسے گروہ سے متعلق تھا جنھوں نے وفاداری کا عہد کیا اپنے عہد و پیمان پر باقی رہے اور اپنا حق ادا کیا یہ دو واقعے ہیں جن سے متعلق سورہ احزاب کی چند آیتیں نازل ہوئی ہیں۔

پہلا واقعہ

" ولقد کانوا عاھد واللہ من قبل لایولون الادبارہ کان عھد اللہ مسئولاً قل لن ینفعکم الفراران فرزتم من الموت اوالقل از الا تمتعون الا قلیلاً (آیت ۱۵ اور ۱۶)

بلاشبہ اس گروہ نے پہلے خدا سے عہد و پیمان باندھا کہ میدان جنگ کو ترک کر کے فرار نہ کریں گے اور الٰہی عہد کی ذمہ داری ہوتی ہے (یعنی اگر کسی نے خدا کے ساتھ عہد کیا تو وہ ذمہ دار ہے کہ اس عہد و پیمان کی حفاظت کرے اور اس کا وفادار رہے) آیت کو آگے بڑھاتے ہوئے خدا پیغمبر اسلامؑ سے خطاب کر کے فرماتا ہے: اے پیغمبر! جن لوگوں نے فرار کیا اور اپنے عہد کو وفا نہیں کیا ان سے کہیئے: اگر تم موت سے فرار کرتے ہو تو اس سے تمھیں کوئی فائدہ نہ ہوگا کیونکہ جلد یا دیر سے بہر حال تمھاری موت آ کر رہے گی اور پھر تھوڑی سی چند روز دنیاوی لذت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا کہہ دیجئے کہ اگر خدا نے تمھارے لئے برا ارادہ کر لیا ہے تو تمھیں کون بچا سکتا ہے یا اگر اس نے تمھارے لئے رحمت کا ارادہ کیا ہو وہ (عہد شکن لوگ) خدا سے الگ کسی کو اپنا ناصر و مددگار نہ

پائیں گے۔

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے جو لوگ سازش کرتے اور اسلام کے خلاف نقشے بناتے تھے نہ خود جنگ میں شرکت کرتے تھے اور نہ اپنے بھائیوں کو شریک ہونے دیتے تھے، وہ اپنے بھائیوں سے کہتے تھے کہ ہماری طرف آجاؤ اور جنگ میں شریک نہ ہو۔ خدا ان لوگوں کو پہچانتا ہے

دوسرا واقعہ

"من المومنين رجال صدقوا ماعاهدو اللّٰه عليه فهنم من قضٰى نصبه و منهم من ينتظر وما بدلو اتبديلا (احزاب. ۲۳)

مومنین میں ایسے جواں مرد بھی ہیں جو خدا سے کیے ہوئے اپنے عہد و پیمان پر باقی رہے پس ان میں سے بعض نے اپنا حق ادا کیا اور بعض انتظار کر رہے ہیں کہ اپنا عہد پورا کریں، یہ لوگ اپنے عہد سے دست بردار نہیں ہوئے اور اپنا پیمان نہیں توڑا۔

یہ دوسرا واقعہ ان مومنین سے مربوط ہے۔ جنھوں نے خدا سے عہد کیا اور اس پر جمے رہے میدان جنگ میں شرکت کی اور کارزار سے نہ بھاگے، ان میں سے بعض نے اسلام سے متعلق اپنا حق ادا کیا اور شہادت کے درجہ پر فائز ہوئے اور بعض اس کے منتظر ہیں کہ ان کی بھی باری آئے تاکہ اپنا حق ادا کریں۔ نہ وہ اپنے عمل پر پریشمان ہوئے جنھوں نے ایفائے عہد کیا اور شہید ہوئے اور نہ یہ لوگ جو شہادت کے منتظر ہیں اپنے انتظار پر پشیمان ہیں۔

سورہ احزاب کی آیتوں کے یہ دو حصے دو گروہ اور دو واقعات کے بارے میں نازل ہوئے ہیں اور دونوں گروہ تمام ہو چکے ہیں (کچھ شہید ہوئے اور کچھ ہلاک ہو گئے) لیکن ان لوگوں کے جانے کے بعد آیت کا مفہوم و مطلب کبھی ختم نہیں ہوتا اگر چہ مورد تمام ہو گیا لیکن اصل کلی باقی ہے۔ بس بنا بر شان نزول مصداق بیان کرنے کے علاوہ کوئی اور حیثیت نہیں رکھتی: نہ تفسیر و تعین نہ یہ اختصاص کا سبب بنتی ہے۔

منفرد و منحصر مصداقات

لیکن بعض ایسی آیتیں بھی ہیں جن کے مصداق منفرد ہیں یعنی ایک فرد کے علاوہ اس آیت کا کوئی دوسرا مصداق نہیں ہے مثلاً یہ آیت:۔

انما ولیکم اللہ ورسولہ وللذین آمنو الذین یقیمون الصلوٰۃ ویوتون الزکوٰۃ وھم راکعون(مائدہ. ۵۵)

اگر چہ یہ آیت صیغہ جمع کے ساتھ نازل ہوئی ہے نیز الفاظ کے مادے اوران کی ہیئتیں اپنے اصل معانی میں استعمال ہوئی ہیں۔ لیکن خارج میں ایک فرد کے علاوہ کوئی اور اس کا مصداق نہیں ہے یعنی وہ شخص جس نے رکوع کی حالت میں فقیر کو صدقہ دیا ہے، اس زمانہ میں حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔

بہر حال شان نزول آیت کو تخصیص نہیں دیتی اور آیت کی اصالت اور اس کا دوام، مصداق کے ختم ہونے سے ختم نہیں ہوتا اگر چہ ہر آیت اور سورہ کی شان نزول ان کے مفاہیم و مطالب کو سمجھنے میں مؤثر کردار ادا کرتی ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام اس حدیث کا بقیہ حصہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

" ولکن القرآن یجری اولہ علیٰ آخرہ مادامت السموات ولارض والکل قوما آیۃ یتلونھا ھم منھا من کیر او شر(۱)

لیکن پورا قرآن ایک حقیقت ہے جو ابتدا سے آخر تک باہم مربوط ہے جب تک کہ نظام وجود باقی ہے اور آسمان وزمین اپنی جگہ پر ہیں اور جو لوگ بھی کسی آیت کی تلاوت کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ یہ آیت ان کے حسب حال ہے۔

اس کے بعد محمد بن مسلم امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا:

اے محمد بن مسلم! اگر تم نے سنا کہ خداوند عالم نے اس امت میں کسی شخص کو نیکیوں سے یاد کیا ہے تو سمجھ لو کہ اس سے مراد ہم ہیں اور اگر تم نے سنا کہ خداوند عالم نے کسی آیت میں ماضی میں کسی قوم کو بدی کے ساتھ یاد کیا ہے تو جان لو کہ اس سے مراد ہمارے دشمن ہیں۔ یعنی قرآن میں جہاں بھی تمھیں فضیلتوں اور خوبیوں کی بات نظر آئے وہ ہم، ہمارے ہم عقیدہ اور پیروافراد ہیں اور جہاں بھی کفار و کج فکر افراد کی توبیخ و سرزنش کی گئی ہے وہ ہمارے دشمنوں اور مخالفوں کے لئے ہے، چاہے وہ اس وقت موجود ہوں یا اس کے بعد مستقبل میں آئیں اصل کلی سب کے شامل حال ہوگی۔ پس قرآن کریم اصول کلیہ پر مبنی ہے اور مصداقات سے اس کی مطابقت اس قانون کلی کی محدودیت کا باعث نہ ہوگی۔

قرآن اور جلائے قلب

ہم عرض کر چکے ہیں کہ قرآن کلی اصول کا حامل ہے اور مصداقات پر ان اصولوں کی تطبیق ان کی محدودیت کا سبب نہیں ہوگی۔ ان اصول کلیہ کی پہلی اصل آیت کی شان نزول کے بارہ میں تھی جس کی وضاحت ہم کر چکے ہیں دوسری اصل یہ ہے کہ وہ آیتیں جن کا ظاہر رسول اکرم کی توبیخ اور ان پر عتاب ہے کیا اس سے مراد خود پیغمبر اکرم کی ذات گرامی ہے یا یہ کہ پیغمبرؐ کو طرح خطاب کیا جارہا ہے تا کہ وہ امت کو بیدار کرے یعنی یہ توبیخ حضرتؐ کے بجائے دوسرے کے لئے ہے؟

در سے کہتا ہوں تا کہ دیوار سنے

شیخ کلینیؒ حضرت امام صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ایک روایت میں فرمایا ہے: نزل القرآن بایاک اعنی واسمعی یا جارہ" یعنی قرآن اس انداز میں نازل ہوا ہے کہ "میں تم سے کہتا ہوں تا کہ پڑوسی سنے" وہی مشہور مثل کہ فارسی میں بھی کہتے ہیں "بہ در می گویم، دیوار گوش کن" مثال کے طور پر خداوند عالم سورہ انعام میں پیغمبر اکرم کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا

ب: ”و اذارایت الذین اخوصنون فی آیاتنا فاعرض عنھم حتی یغوضو فی حدیث غیرہ واما ینسینک الشیطان فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین“

(انعام آیت ۶۸)

اے پیغمبرؐ اگر تم نے دیکھا کہ کچھ لوگ ہماری آیتوں میں مین میخ نکالتے ہیں طعن کرتے ہیں تو تم ان سے دوری اختیار کرو یہاں تک کہ وہ اس بات سے ہٹ کر دوسری بات پر آجائیں اور اگر شیطان تمھیں (اس حکم سے) غافل کردے تو یاد آنے کے بعد ظالم ستمگار لوگوں کے ساتھ ہرگز نہ بیٹھو“

اس آیت میں جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں ،خطاب رسول اکرمؐ سے ہے کہ خدا انھیں قرآن کا مضحکہ اڑانے والوں کے ساتھ بیٹھنے سے منع کرتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ ایسے لوگوں کی بزم میں شریک نہ ہو،لیکن سورہ نساء میں فرماتا ہے۔

بلاشبہ (اے مومنو!) تم پر قرآن میں حکم نازل ہو چکا ہے کہ جہاں تم سنو کہ اللہ کی آیت کے خلاف کفر بکا جارہا ہے ان کا مزاق اڑایا جارہا ہے وہاں نہ بیٹھو یہاں تک کہ یہ لوگ قرآن کا مضحکہ اڑانے کے بجائے دوسری باتوں میں مشغول ہو جائیں (اگر تم نے قرآن کا مضحکہ اڑاتے وقت ان کی ہمنشینی اختیار کی تو) تم بھی درحقیقت ان ہی کے مانند ہو جاؤ گے اور خداوند عالم تمام منافقوں او رکافروں کو جہنم میں اکٹھا کرے گا۔

یہاں قرآن مومنین سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے: کہ میں نے پہلے بھی تمھیں یاددہانی کرائی ہے کہ ایسے منافقوں کی بزم میں نہ بیٹھو جو قرآن کا مزاق اڑاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ لوگ اس بری حرکت سے دست بردار ہو جائیں۔جبکہ قرآن کسی بھی آیت میں بھی لوگوں سے خطاب نہیں فر مایا ہے کہ منافقوں کے ساتھ نہ بیٹھیں اور انکی بزم میں شریک نہ ہوں، پھر اس آیت میں یہ کیوں فرماتا ہے کہ ہم نے پہلے یاد ہانی کرادی جبکہ سورہ انعام میں اس سلسلہ صرف پیغمبر اکرم کو خطاب فر مایا ہے؟

یہیں سے ہمیں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ سورہ انعام میں بھی خود پیغمبر اکرمؐ سے خطاب "ایاک اعنی واسمعی یا جارہ" کی نوعیت کا ہے اور اگر چہ یہ خطاب پیغمبر سے ہوا لیکن اس سے مراد عوام اور امت ہیں اور مزید کہ وہ معصوم و مطہر پیغمبرؐ کبھی بھی شیطانی وسوسہ کا شکار نہیں ہو سکتا، وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ" وہ پیغمبر اپنی خواہش سے نہیں بولتا جب تک اس پر وحی نہ نازل ہو" نجم آیت ۳۔۴

شیخ کلینیؒ امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے "نزل القرآن بایاک اعنی واسعی یا جارہ" کے بارے میں فرمایا:

یعنی کہ جو کچھ خداوند عالم نے پیغمبر اکرمؐ سے بعنوان عتاب فرمایا ہے اس سے مراد دوسرے لوگ ہیں مثلاً خداوند عالم کا قول کہ: اگر ہم نے تمھیں محکم و استوار نہ رکھا ہوتا تو نزدیک تھا کہ ان لوگوں کی طرح تم بھی کج ہو گئے ہوتے (سورہ اسراء آیت ۷۴) اور اس کلام سے اس نے پیغمبر کے علاوہ دوسرے کو مراد لیا ہے۔

پس توبیخ و سرزنش والی آیتیں جن میں حضرت کو خطاب کیا گیا ہے۔ وہ ایاک اعنی واسمی یا جارہ" کے عنوان سے نازل ہوئی ہیں اور ان سے مراد امت کے غلط اور گمراہ افراد ہیں۔

خصوصی خطاب

لیکن جہاں خطاب پیغمبر اسلام کی ذات سے کیا گیا ہے وہاں خصوصیت کی علامتیں آیت میں ذکر کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر خداوند عالم سورہ اسرا میں ارشاد فرماتا ہے۔

"اقم الصلوٰۃ الدلوک الشمس الیٰ غسق الیل و القرآن الفجر . ان قرآن الفجر کان مشھود اومن الیل فتھجد بہ نافلۃ لک عسیٰ یبعثک ربک مقاما محمودا" (اسراء آیت ۷۸. ۷۹)

نماز قائم کرو، زوال آفتاب سے شب کی تاریکی شروع ہونے تک اور نماز صبح بھی قائم کرو کہ وہ مشہود ہے اور شب کا کچھ حصہ تہجد و نافلہ میں بسر کرو۔ شاید تمھارا خدا تمھیں مقام محمود پر مبعوث فرمائے"۔

وہ نمازیں جو زوال آفتاب اور آغاز شب کے درمیان آتی ہیں ظہر و عصر و مغرب و عشا ہیں اور الفجر، صبح کی نماز، کہ یہ تمام پانچ نمازیں تمام مسلمانوں پر واجب ہیں اور اس میں پیغمبر اکرم کو کوئی خصوصیت نہیں ہے اگرچہ اس کا مطلب پیغمبرؐ سے ہے لیکن چھٹی نماز یعنی نافلہ شب آنحضرتؐ سے مخصوص ہے اور دیگر افراد پر واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

یہ خصوصیت آیت کے دو الفاظ "لک" اور یبعثک" سے سمجھ آتی ہے اور اگر ان پانچ نمازوں کی طرح بظاہر صرف پیغمبر اکرمؐ سے خطاب نہ ہوتا بلکہ تمام مکلفین اس میں شامل ہوتے تو صرف لفظ "فتہجد" میں موجود خطاب ہی کافی ہوتا جیسے پنجگانہ نمازوں میں "اقم" کے خطاب پر ہی اکتفا کی گئی ہے۔ آیت میں نماز شب لفظ "نافلہ" سے تعبیر کی گئی ہے اور نافلہ کے معنی ہیں زیادہ اور اضافی جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔" وھبنا لہ اسحاق و یعقوب نافلۃ (انبیاء/آیت ۷۲) ہم نے ابراہیم کو اسحاق عطا کیا اور ان پر یعقوب کا اضافہ کیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے خداوند عالم سے صرف ایک فرزند کی درخواست کی تھی۔ خداوند عالم نے انھیں اسحاق جیسا بیٹا عطا کیا اور اسحاق سے یعقوبؑ نام کا فرزند پیدا ہوا۔ اس بنا پر یعقوبؑ ابراہیمؑ کے پوتے ہیں اور چونکہ حضرت کی درخواست اور دعا سے زیادہ تھے لہذا انھیں "نافلہ" کی تعبیر سے یاد کیا گیا ہے۔

نماز نافلہ بھی چونکہ پنجگانہ نمازوں سے جو سب پر واجب ہیں۔ پر اضافہ کی حیثیت رکھتی ہے لہذا اسے بھی نافلہ سے تعبیر کیا گیا۔ "مقام محمود" یعنی مطلق و کامل مرتبہ و مقام کی تمام نعمتیں آپؐ کے وجود کی برکت سے دوسروں تک پہنچیں اور آپؐ کے فیض سے تمام انسان ان نعمتوں سے بہرہ مند

ہوئے۔ خداوند عالم نماز شب کی برکتوں سے آپ کو مقام محمود تک پہنچاتا ہے تاکہ تمام موجودات آپ کی ثنا کریں۔

قرآن کا عربی ہونا

ایک اور مطلب جس پر گفتگو ضروری ہے قرآن کے عربی ہونے کا مسئلہ ہے خداوند عالم سورہ شعراء میں پیغمبر اکرمؐ سے ارشاد فرماتا ہے۔ نزل به الروح الا مین علی قلبک لتکون من المنذرین بلسان عربی مبین (شعراء/آیت ۱۹۵) جبرئیل امین نے اسے تمہارے قلب پر نازل کیا تاکہ لوگوں کو (عذاب الٰہی سے) ڈراؤ۔

امام محمد باقر یا امام صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ "لسان عربی مبین" کا مطلب کیا ہے؟ امامؑ نے فرمایا" یبین الالسن و لا تبینہ الالسن" عربی زبان تمام زبانوں کی وضاحت کرنے والی ہے لیکن دوسری زبانیں اس زبان کے مطلب کی رسا طور پر وضاحت کرنے سے قاصر ہیں۔ عربی زبان اس قدر غنی اور قوی ہے کہ بڑے بڑے لطیف اور دقیق معانی و مطالب کو بسیط الفاظ کے جامہ میں بیان کر سکتی ہے لیکن تمام زبانیں اگر مطالب اور لطیف مفاہیم بیان کرنا چاہیں تو انھیں چند جملوں میں بیان کر سکتی ہے لیکن تمام زبانیں اگر مطلب اور لطیف مفاہیم بیان کرنا چاہیں تو انھیں چند جملوں میں بیان کریں گی اور اس صورت میں زبان کا لطف خاص جاتا رہے گا۔ مجموعی طور پر دنیا کی تمام موجود زبانیں اس جہت میں برابر نہیں ہیں۔ بعض زبانیں ضعیف و ناتواں ہیں اور اس کا بولنے والے زبان کی تمام مفردات کے ذریعہ بھی اپنے پورے مطالب بیان نہیں کر سکتا اور مثلاً بیس لفظوں کے استعمال کے بعد ایک بات سمجھا پائے گا، لیکن عربی زبان سب سے زیادہ غنی زبان ہے اور ایک ایک کلمات و الفاظ کے ذریعہ بہت سے معانی و مطالب کی وضاحت پر قادر ہے اور یہ عربی الفاظ کی وسعت و جامعیت کی نشانی ہے۔

قرآن کے مراحل

اس کے باوجود یہ زبانیں ''عربی مبین'' بھی ان بلند معانی ومطالب کو جو خدا کے پاس ہیں بیان نہیں کرسکتی اس بنا پر ہم نے عرض کیا کہ قرآن کے دو مرحلے ہیں:

ا۔ مرحلہ علو، جو ام الکتاب میں خدا کے نزدیک ہے ''وانہ فی ام الکتاب الدینا لعلی حکیم. (زخرف / آیت ۴) یعنی بلاشبہ یہ قرآن ہمارے پاس ام الکتاب ''لوح محفوظ'' میں بلند و حکمت آمیز ہے۔

۲۔ مرحلہ نزول جیسا کہ پہلے عرض کرچکے ہیں نزول کے بھی دو مرحلے ہیں، نزول کا دفعی مرحلہ کہ خداوند عالم نے جہاں لفظ ''انزال'' استعمال کیا ہے اس سے مراد یہی مرحلہ ہے مثلاً ''انا انزلناہ قرآنا عربیا لعلکم تعقلون (یوسف / آیت ۲) ہم نے قرآن عربی زبان میں نازل کیا تاکہ شاید تم اسے درک کرو۔ اور دوسرا مرحلہ تدریجی نزول کا ہے جسے اوپر بیان سورہ شعراء کے اندر قرآن کے زبان عربی مبین میں نزول کو ذکر کیا گیا ہے۔

انزال وتنزل کی اصطلاح جو قرآن کے بارہ میں متعدد آیات میں آئی ہے عربی لغت میں یہ نزول ''تجافی'' (چھوڑ دینے یا دوری اختیار کرنے) کی صورت میں استعمال ہوتا ہے جیسے بارش کا نزول کہ جب بارش کا ایک قطرہ بادل سے نیچے آیا تو اب ایسا نہیں ہے کہ وہ قطرہ اب بھی بادل میں موجود نہ ہو۔ اور تنزیلکے معنی میں بھی آیا قرآن کے انزال وتنزیل سے مراد یہی دوسرے معنی ہیں یعنی قرآن نے اپنے اس بلند مرحلہ سے جو خدا کے نزدیک ہے اس مرحلہ تک نزول کیا ہے کہ انسانی فہم سے نزدیک اور اس کے لئے قابل درک ہوگیا ہے ساتھ ہی وہ خدا کے نزدیک اپنے بلند مرحلہ پر باقی بھی ہے اور ایسا نہیں ہے کہ نازل ہونے کے بعد وہ اپنے پہلے والے بلند مرحلہ سے نیچے آگیا اور اب اس کی جگہ خالی ہوگی ہے۔

جب ایک دانشور کوئی علمی بات مجموعی درک وفہم تک نیچے لاکر سادے اسلوب میں بیان کرتا ہے تو ایسا نہیں ہے کہ اس عمل سے وہ علمی بات اپنے خاص علمی مطلب کو کھو چکی ہے قرآن کا نزول بھی اس نوعیت کا ہے: وہ اپنے بلند مرحلہ میں "ام الکتاب" کے اندر باقی بھی ہے اور انسانوں کی فہم و ادراک کی سطح پر بیان بھی ہوا ہے۔ اس کے لئے ایسی بات نہیں کہ اگر کوئی کتاب کسی کتب خانہ کی اونچی الماری سے نیچے لائی جائے تو گویا اب کتاب اس اونچی جگہ پر نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن فرماتا ہے:ما عند کم ینفد و ما عنداللّٰہ باق (النحل آیت ۹۶) جو کچھ تمھارے پاس ہے ختم ہو جائے گا۔ اور جو کچھ خدا کے پاس ہے باقی رہنے والا ہے۔ جیسا کہ سورہ زخرف میں آیا ہے۔ " عند اللّٰہ ام الکتاب " میں بھی ہے اور اسی بنا پر اسے "حبل اللّٰہ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کہ اس حبل اللہ کا ایک حصہ اللہ کے نزدیک ہے اور دوسرا حصہ زمین پر ہے اور انسان اس سے تمسک اختیار کر کے کمال اور بلندی حاصل کرتا ہے اور جو لوگ قرآن سے تمسک اختیار کر کے کمال کے بلند ترین درجوں پر پہنچے وہ علم لدنی کے مالک قرار پائے۔

قرآنی علوم

اب ہم ایک دوسرے مطلب کی طرف آتے ہیں اور وہ یہ کہ قرآن ہمیں کن علوم کی تعلیم دیتا ہے؟ اگر چہ ہر علم اپنی جگہ فضیلت رکھتا ہے لیکن بہترین علم وہ ہے جو انسان کا ابدی زادراہ قرار پائے۔ انسان پیدائش کے بعد مر نہیں جاتا بلکہ ایک منزل سے دوسری منزل کیطرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ اور وہ بہترین علم جو اس مسافر کا توشہ اور زادراہ بن سکتا ہے۔ اصول دین آغاز خلقت، رسالت اور قیامت کا علم ہے جسے ایک لفظ میں سمیٹ کر علم توحید کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ سب (یعنی مبدا، و معاد، وحی و رسالت وغیرہ) کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم اور الٰہی معارف کی تعلیم کو انبیاء کرام کی رسالت اور فرائض میں شمار کرتا ہے و یعلمهم الکتاب

والحکمۃ (سورہ جمعہ/آیت ۲) وہ ہے جس نے انبیاء کرام کو امیوں میں سے مبعوث فرمایا تا کہ۔۔۔۔ ان لوگوں کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیں۔ قرآن جن علوم ومعارف کی تعلیم دیتا ہے انھیں اس آیت کریمہ میں ''کتاب وحکمت'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے سورہ محمدؐ میں ارشاد ہوتا ہے: فاعلم انہ لا الہ اللہ واستغفر لذنبک وللمومنین والمومنات واللہ یعلم متقلبکم ومثواکم (آیت ۱۹)

''جان لو کہ اللہ کے علاوہ کوئی اور اللہ نہیں اور اپنے نیز مومنین ومومنات کے لئے مغفرت وبخشش طلب کرو، خداوند عالم تمھارے دنیا وآخرت کے انتقال کی منزلوں سے آگاہ ہے۔

مذکورہ آیت میں خداوند عالم نے معارف کے ایک حصہ کی تعلیم دی ہے۔ مرحوم ملا محسن فیض اس آیت کو ذیل میں پیغمبر اکرم کی ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

''الا ستغفار وقول لا الہ الا اللہ خیر العبادۃ''

استغفار کرنا اور کلمہ توحید کا ذکر بہترین عبادت ہے۔

لیکن بعض روایات میں یوں آیا ہے کہ: ''خیر العلم التوحید و خیر العبادۃ الاستغفار'' یعنی بہترین علم توحید کا علم ہے اور بہترین عبادت استغفار ہے۔

پس وہ بہترین علم جسے حاصل کرنے پر رسول خداؐ مامور کیے گئے ہیں، علم توحید ہے شیخ طوسی تفسیر تبیان میں اس آیت کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں: یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ علم توحید بدیہی نہیں بلکہ اکتسابی ہے ورنہ اس امر کی شکل میں پیش نہ کیا جاتا۔ فاعلم انہ لا الہ الا اللہ'' لیکن یہ استدلال بظاہر کامل نہیں ہے کیونکہ فاعلم صرف علم نظری کے لئے استعمال نہیں ہوتا بلکہ بدیہی علم کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے اسی وجہ سے آیت مذکورہ کے ذیل میں بیان ہونے والی بعض روایات میں اسے ''خیر العبادہ'' سے تعبیر وتفسیر کیا گیا ہے اس لئے یہاں ''فاعلم'' ''فاعتبر'' کے معنی میں ہے کیونکہ اصول دین کے باب میں اس پر ایمان لانا اہم ہے نہ کہ اس کا علم

حاصل کرنا۔ ممکن ہے ایک شخص کے لئے توحید قطعی اور یقینی ہو لیکن وہ اپنے بغض و عناد کی وجہ سے اس پر ایمان نہ رکھتا ہو، قرآن ایسے افراد کے بارے میں فرماتا ہے۔۔۔وجحدوا بھا واستیقنا انفسھم...... انھوں نے (الٰہی معجزہ) کا یقین کرنے کے بعد بھی اس کا انکار کیا۔

البتہ وہی علم ہے جس کے بارے میں نہج البلاغہ میں آیا ہے ''ربّ عالم قد قتلہ جھلہ ولمہ معہ لاینفعہ'' کچھ عالم ایسے ہیں جن کے علم نے انھیں مار ڈالا اور ان کے علم نے انھیں کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔ اس طرح کا علم درحقیقت جہل ہے۔ لہذا کہا گیا ہے کہ: ایمان قلب کے ذریعہ اعتراف واعتقاد، زبان کے ذریعہ اقرار اور اعضاء وجوارح کے ذریعہ عمل کا نام ہے، صرف علم و آگاہی ایمان نہیں ہے۔ بلکہ عالم ہونا مومن ہونے کا مقدمہ ہے۔ دریا کا وجود نظری نہیں بلکہ بدیہی ہے لیکن جو شخص دریا کے کنارے ہے اگر ہوشیار نہ رہے تو ممکن ہے کہ دریا میں گر پڑے اور ڈوب جائے لہذا اسے آگاہ کرنا چاہئے کہ ہوشیار رہے کہ دریا کے کنارے کھڑا ہے، یہاں بھی ''فاعلم'' ایک ٹہوکا ہے۔ اس کے علاوہ ضروری نہیں ہے کہ جس چیز کا حکم دیا جا رہا ہے ہمیشہ بدیہی نہ ہو۔

انبیائے کرام اور دلوں کی صفائی

اس بنا پر مبدا و معاد کا علم بدیہی علم ہے لیکن کبھی اس پر غفلت کے پردے پڑے رہتے ہیں ایسے ہی موقعوں پر انبیاء کرام آتے ہیں اور یہ پردے اٹھا دیتے ہیں لہذا خداوند عالم قرآن کریم میں رسول اکرمؐ سے ارشاد فرماتا ہے: ''فذکر انما انت مذکر'' لوگوں کو آگاہ کیجئے اور یاد دلایئے آپؐ صرف یاد دلانے والے ہیں۔ ضمنی طور پر اس آیت کریمہ سے '' ویعلمھم الکتاب والحکمۃ'' کے معنی بھی واضح ہوتے ہیں کہ تعلیم سے مراد وہی یاد آوری ہے جن چیزوں کو لوگ

جانتے تھے اور جو لوگوں پر واضح تھیں لیکن بعض وجوہ کی بنا پر ان سے غافل ہو گئے تھے پیغمبران کی یاد دہانی کراتے ہیں۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو زمین کی گہرائیوں سے پانی نکالنے کا طریقہ سکھلایا جائے، یہ تعلیم ہے، لیکن کبھی دریا کے کنارے کھڑے ہوئے شخص کو توجہ دلائی جاتی ہے، دریا! دریا! تاکہ وہ دریا میں گر نہ پڑے۔ یہاں صرف یاد دہانی ہے تعلیم نہیں کیوں کہ وہ خود جانتا ہے کہ وہاں دریا ہے، اس کے باوجود غافل ہے، اسے ہوشیار کرنا چاہیے تاکہ دریا میں گر نہ پڑے۔

توحید، انسان کی سرشت وطینت میں ایک فطری امر ہے۔ انبیاء کرام توحید کے معلم نہیں ہیں بلکہ انھیں اس ساری فطری امر کے یاد دلانے والے ہیں جن کی فطرت پر غفلت کا پردہ پڑ گیا ہے۔ قرآن کریم ایسے افراد کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔ بَلْ رَانَ علیٰ قلوبھم ما کانو ایکسبون. (مطففین/آیت ۱۴) بلکہ ان کے دلوں پر انکے برے اعمال کا زنگ بیٹھ گیا ہے۔

لہذا خداوند عالم نے اپنے بعض احکام کو طہارت کے عنوان سے بیان فرمایا ہے۔ انسان کو ہر نماز میں طہارت کرنا چاہیئے۔ اگر وضو یا غسل کے لئے اس کے پاس پانی نہ ہو تو پانی کے بدلے خاک سے یہ طہارت حاصل کرے: فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیداً طیبا'' (مائدہ/آیت ۶) اگر تمھیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کرو۔ اس کے بعد اسی آیت کے آگے فرماتا ہے: ''لیطھر کم ''یعنی یہ حکم اس لئے ہے کہ خداوند عالم تمھیں پاک کردے یہاں وضو کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ تیمم کا مسئلہ درپیش ہے۔ چہرہ اور ہاتھوں پر خاک ملنا ظاہری طور پر پاکی وطہارت کا سبب نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا کہ ظاہری طہارت کے علاوہ ایک دوسری طہارت کا ذکر بھی قرآن میں ہے وہ ہے انسانی فطرت وروح کی طہارت اور یہ طہارت ایک طرح سے باطن کا میل صاف کرنا اور دل کی صفائی ہے وحی کا حاصل بھی یہی باطن کی صفائی ہے۔

قرآن کریم کی وہ تمام آیتیں جن کی زبان یاد دہانی اور عہد ومیثاق وغیرہ کی زبان ہے، اس بات کی

تائید کرتی ہیں۔ تعلیم کے عموی معنی میں تذکر و یاد دہانی بھی شامل ہے اسی لئے گزشتہ دو آیتوں میں "فیعلمھم" اور "فاعلم" اسی معنی میں تھے۔ اسی بناء پر ہم نہ صرف مبداء و معاد اور وحی وغیرہ کے لئے فطری دلیل رکھتے ہیں بلکہ برہانی دلیلیں بھی اسی فطری دلیل کی طرف پلٹتی ہیں وہ خود مستقل دلیلیں نہیں ہیں۔ قرآن کریم بھی جو اکثر غور و فکر، تفکر و تدبر کا حکم دیتا ہے یہ سب آگاہی انھو کا ہے کہ دل آگاہ ہو اور دیکھے نہ کان اور آنکھ کیونکہ جو کچھ انسان دیکھنے اور سننے سے حاصل کرتا ہے علم ہے، لیکن جن چیزوں کو وہ پہلے سے جانتا تھا فقط انھیں یاد دلیا گیا ہے وہ علم اور سیکھنے والی چیزیں نہیں ہے۔ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے: واللّٰہ اخرجکم من بطون امھاتکم لاتعلمون شیأً (نحل / آیت ۷۸) خداوند عالم تمھیں ماؤوں کے رحموں سے اس حالت میں دنیا میں لایا کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ سورہ سجدہ میں ارشاد ہوتا ہے: "وجعل لکم السمع والابصار والافئدۃ (سجدہ/ ۹) اور اس نے تمھارے لئے کان، آنکھ اور دل قرار دیئے۔ انسان ابتداء میں جبکہ وہ پیدا ہوتا ہے ہر چیز سے بے خبر ہوتا ہے، لیکن رفتہ رفتہ آنکھوں اور کان کے ذریعے بعض چیزوں کو دیکھتا سنتا اور عقل کے ذریعہ احساس کرتا ہے اس طرح وہ رفتہ رفتہ صاحب علم ہوتا جاتا ہے اور جو حالات اس کے اردگرد گزرتے جاتے ہیں ان سے باخبر ہوتا جاتا ہے۔

آسمانی کتابوں اور حکمت و فلسفہ کی کتابوں کا فرق

آسمانی کتابوں اور فلسفہ کی کتابوں کا فرق یہ ہے کہ آسمانی کتابیں ہدایت ہیں اور دل سے سروکار رکھتی ہیں اور انسان کو اس کے باطن سے مخاطب کرتی ہیں لیکن فلسفہ کی کتابیں کان اور آنکھ کے زریعہ تعلیم دیتی ہیں۔ آسمانی کتابیں شہر کے اندر سے انسان سے ہم کلام ہوتی ہیں اور فلسفہ کی کتابیں دروازہ شہر کے باہر سے۔ قرآن کریم جب استدلال کرتا ہے تو آیات کے آخر میں اکثر کہتا ہے۔ "افلا تعقلون" کیا تم اپنی عقل کو کام میں نہیں لاتے؟ کبھی کہتا ہے "افلا تذکرون" کیا

تمھیں یاد نہیں آتا؟ ان خطابات سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ توحید ایک فطری مسئلہ ہے کہ خداوند عالم اس کی علامتیں اور نشانیاں بیان کرنے کے بعد انسان کو دعوت دیتا ہے کہ غور وفکر سے کام لے تاکہ اسے یاد آجائے سورہ نحل میں تیسری آیت کے بعد بہت سے مسائل اور فطری موجود ات کی طرف اشادہ کیا گیا ہے لیکن وہ مجموعی طور پر ایک استدلال ہے" خلق السموات والارض بالحق تعالیٰ عما یشرکون" (نحل /آیت ۳) خداوند عالم نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کی بنیاد پر خلق فرمایا اور وہ ان چیزوں سے منزہ ہے جن کا مشرکین اسے شریک قرار دیتے ہیں۔ ادبی نقطہ نگاہ سے "بالحق" کا باء ملاسبت کے لئے ہے یعنی اس نے دنیا کو حق کے لباس میں خلق فرمایا اور یہ لباس تمام دنیا کو اس طرح چھپائے اور احاطہ کیے ہوئے ہے کہ اس میں باطل کے لئے گنجائش نہیں ہے:

" وما خلقنا السماء والارض وما بینھما باطلا، ذالک ظن الذین کفروا فویل للذین کفروا من النار (سورہ/آیت ۲۷) ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ اس کے درمیان ہے بیہودہ اور باطل پیدا نہیں کیا۔

یہ کافروں کا گمان ہے پس وائے ہو کافروں پر جہنم کی آگ سے۔

جو چیز بھی کسی مشخص مقصد کے تحت وجود میں آئی ہو باطل نہیں ہو سکتی خداوند عالم سورہ نحل کے بعد کی آیتوں میں بعض موجودات کی خلقت کا مقصد یوں بیان فرماتا ہے۔

"اور چوپایوں کو تمھارے لئے پیدا کیا تاکہ ان کی کھالوں اور بالوں کے ذریعہ اپنے کو سردی وگرمی سے محفوظ رکھو اپنی سردی دور کرو اور ان میں سے تم بعض جانوروں کا دودھ اور گوشت کھاتے ہو ان میں تمھارے لئے شان وشوکت ہے جب تم انھیں چرانے کے لئے لے جاتے ہو یا واپس لاتے ہو اور وہ تمھارے وزنی بوجھ کو جنھیں تم زحمتوں کے بعد بھی اٹھا نہیں سکتے، ایک شہر سے دوسرے شہر لے جاتے ہیں، بلاشبہ تمھارا خداوند عالم بڑا شفیق ومہربان ہے۔ اسی نے گھوڑوں، خچروں اور

گدھوں کو تمھاری سواری اور تمھاری زینت کے لئے پیدا کیا۔ انکے علاوہ اور چیزیں بھی پیدا کرے گا جن سے تم ابھی آگاہ نہیں ہو۔"

اس سورہ میں وہ آیتیں جو موجودات کی خلقت اور ان کےمقصد کو بیان کرتی ہیں ان کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور ہم گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں آیتوں میں یہ تین جملے دیکھتے ہیں "ان فی ذالک لایات لقوم یتفکرون" بے شک اس میں غور وفکر کرنیوالوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ "ان فی ذالک لایات لقوم یعقلون" بلاشبہ اس میں سمجھنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ "اِنَّ فی ذالک لآیۃ لقوم یذکرون" بلاشبہ اس میں ہوشیار و آگاہ افراد کے لئے نشانیاں ہیں۔ یہاں تفکر و تعقل تذکر و آگاہی اور یاددہانی کے دائرے میں ہے۔ یعنی لوگ ان نشانیوں اور موجودات کی خلقت پر توجہ کرتے ہوئے غور وفکر کرتے ہیں اور اپنی عقلوں کو کام میں لاتے ہیں اور آگاہ ہوتے ہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ کچھ نہیں جانتے اور آگاہ ہوتے ہیں، بلکہ وہ اور چیزوں کو اپنے ذہن میں لاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ماضی میں پہلے جانتے تھے لیکن فراموش کر چکے ہیں لہذا خداوند عالم فرماتا ہے ان ھو الاذکر و قرآن مبین یہ نہیں فرماتا: ان ھو الا تعلیم! قرآن یاددلانے والا ہے تعلیم دینے والا نہیں پیغمبر بھی معلم نہیں ہیں۔ اور اگر قرآن میں آیا ہے "ویعلمھم الکتاب والحکمۃ" (وہ لوگوں کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں) تو آیت کریمہ "ان انت الامذکر (آپ صرف یاددلانے اور آگاہ کرنے والے ہیں) اس کی وضاحت کرتی ہے ایسا نہیں کہ انسان جاہل و غافل پیدا کیا گیا ہو اور اسے مسئلہ مبدا و معاد کی تعلیم نہ دی گئی ہوتا کہ اس پر اعتقاد پیدا کرے۔ بلکہ انسان فطرتا خداشناس ہے لیکن کبھی غلط رسم ورواج کے پردے اس کی فطرت کو چھپا دیتے ہیں اور انسان کو خدا سے منحرف کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اور قرآن اسے یاددہانی کراتے ہیں اور اس کی فطرت کو بیدار کرتے ہیں۔

****

دانش گاہ علوم اسلامی

0332-3329235

Distributer

051-2852065